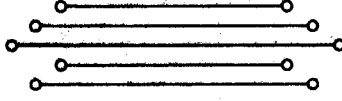


تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست



- | | | | |
|-----|---|-----|--|
| ۳۵۵ | • صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی | ۳۰۲ | • شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی |
| ۳۵۶ | • قیامت کب اور کس وقت؟ | ۳۰۳ | • عوام کی فطرت |
| ۳۵۹ | • نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا | ۳۰۵ | • گناہوں میں ڈوبے لوگ؟ |
| ۳۶۰ | • ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم | ۳۰۶ | • عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا |
| ۳۶۲ | • انسان کا المیہ خود ساز خدا اور اللہ سے دوری ہے | ۳۰۸ | • نابکار لوگوں کا تذکرہ --- انبیاء اور مومنین پر نظر کرم |
| ۳۶۶ | • جو اللہ سے ڈرتا ہے شیطان اس سے ڈرتا ہے | ۳۰۸ | • موسیٰ علیہ السلام اور فرعون |
| ۳۶۸ | • سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے | ۳۰۸ | • عصائے موسیٰ اور فرعون |
| ۳۶۸ | • سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی | ۳۰۹ | • درباریوں کا مشورہ |
| ۳۷۰ | • اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے | ۳۱۰ | • جادو گروں سے مقابلہ |
| ۳۷۵ | • ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان | ۳۱۱ | • جادوگر جحدہ ریز ہو گئے |
| ۳۷۷ | • شیعہ رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں | ۳۱۱ | • فرعون سیخ پا ہو گیا |
| ۳۸۰ | • سب سے پہلا غزوہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ | ۳۱۳ | • آخری حربہ بغاوت کا الزام |
| ۳۸۲ | • تائید الہی کے بعد فتح و کامرانی | ۳۱۷ | • انجام سرکشی |
| ۳۸۶ | • شہیدان و فدا کے قصے | ۳۱۹ | • احسانات پہ احسانات |
| ۳۸۸ | • اللہ کی مدد ہی وجہ کامرانی ہے | ۳۲۲ | • انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ |
| ۳۹۰ | • ایمان والوں کا معین و مددگار اللہ عز و جل | ۳۲۳ | • بنی اسرائیل کا چمچڑے کو پوچھنا |
| ۳۹۱ | • اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق | ۳۲۵ | • موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی |
| ۳۹۱ | • دل رب کی انگلیوں میں ہیں | ۳۳۵ | • النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ |
| ۳۹۳ | • برائیوں سے نرو کتنا عذاب الہی کا سبب ہے | ۳۳۷ | • انبیاء کا قاتل گروہ |
| ۳۹۴ | • اہل ایمان پر اللہ کے احسانات | ۳۴۰ | • اصحاب سبت |
| ۳۹۵ | • اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو | ۳۴۲ | • اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی |
| ۳۹۶ | • دنیا و آخرت کی سعادت مندی | ۳۴۳ | • رشوت خوری کا انجام ذلت و رسوائی ہے |
| ۳۹۷ | • رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش | ۳۴۸ | • بلعم بن باعورا |
| ۳۹۹ | • عذاب الہی نہ آنے کا سبب: اللہ کے رسول اور استغفار | ۳۵۲ | • اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے |
| ۴۰۳ | • شکست خوردہ کفار کی سازشیں | ۳۵۲ | • امت محمد ﷺ کے اوصاف |
| ۴۰۴ | • فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو | ۳۵۵ | • سامان نعیش کی کثرت عتاب الہی بھی ہے |

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ لِشُعَيْبٍ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرِيْبِنَا أَوْ لَنَعُوْدَنَّ فِيْ مِلَّتِنَا
قَالَ اَوْلَوْ كُنَّا كَرِهِيْنَ ۗ قَدْ افْتَرَيْنَا عَلٰى اللّٰهِ
كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجَّيْنَا اللّٰهَ مِنْهَا
وَمَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا
وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ عَلٰى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا
افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ۗ

اس کی قوم کے منکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنی ہستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم سب پھر سے ہمارے مذہب میں آ جاؤ اس نے جواب دیا کہ کیا ہم بیزار ہوں تو بھی؟ ○ پھر تو ہم نے یقیناً اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت باندھی اگر اب ہم تمہارے مذہب میں پھر سے آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات بخشی ہمارا تو اس میں لوثنا ناممکن ہی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ خود اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے یہی مرضی ہو جائے ہمارے رب کے علم نے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے اے ہمارے پروردگار تو ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر دے اور سب فیصلہ کرنے والوں سے تو بہتر ہے ○

شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کا آواز دی ☆ ☆ (آیت: ۸۸-۸۹) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تمام نصیحتیں سن کر جو جواب دیا اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ہوا یہ کہ دلیلوں سے ہار کر یہ لوگ اپنی قوت جتانے پر اتر آئے اور کہنے لگے اب تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہم دلا باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتے ہیں یا تو جلا وطنی قبول کر دیا ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ ہم تو دل سے تمہارے ان مشرکانہ کاموں سے بیزار ہیں انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں پھر تمہارے اس دباؤ اور اس خواہش کے کیا معنی؟ اگر اللہ نہ کرے ہم پھر سے تمہارے کفر میں شامل ہو جائیں تو ہم سے بڑھ کر گناہگار کون ہوگا؟ اس کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے دو گھڑی پہلے محض ایک ڈھونگ رچایا تھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

خیال فرمائیے کہ اس جواب میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایمان داروں کو مرتد ہونے سے کس طرح دھمکایا ہے؟ لیکن چونکہ انسان کمزور ہے نہ معلوم کس کا دل کیسا ہے اور آگے چل کر کیا ظاہر ہونے والا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ سب کچھ ہے اگر وہی کسی کے خیالات الٹ دے تو میرا زور نہیں ہر چیز کے آغاز انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ہمارا توکل اور بھروسہ اپنے تمام کاموں میں صرف اس کی ذات پاک پر ہے۔ اے اللہ تو ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ فرما ہماری مدد فرما تو سب حاکموں کا حاکم ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا عادل ہے ظالم نہیں۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِيِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا
 إِنَّكُمْ إِذَا لَخُسِرُونَ ﴿۹۰﴾ فَأَخَذْتَهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ
 جِثْمِينَ ﴿۹۱﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَمْ يَغْنُوا فِيهَا
 الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلَّى
 عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ
 فَكَيْفَ السٰى عَلَى قَوْمٍ كٰفِرِينَ ﴿۹۳﴾

۹۰
۹۱
۹۲
۹۳

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی تابعداری کی تو سمجھ لو کہ تم برباد ہونے والے بن گئے ○ آخرا ان کافروں کو زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ سب اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے ہوئے مردہ رہ گئے ○ گویا شعیب کو جھٹلانے والے کبھی وہاں بستے ہی نہ تھے درحقیقت شعیب کے جھٹلانے والے ہی برباد ہونے والے ثابت ہوئے ○ اس نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم والو! میں تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات برابر پہنچا چکا اور تمہاری پوری طرح خیر خواہی کی اب نہ ماننے والوں کا میں کہاں تک صدمہ کرتا ہوں؟ ○

قوم شعیب کا شوق تباہی پورا ہوا: ☆ ☆ (آیت: ۹۰-۹۲) اس قوم کی سرکشی بدباطنی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے انہیں یقین دلار ہے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی اطاعت تمہیں غارت کر دے گی اور تم بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ ان مومنوں کے دلوں کو ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی عذاب بصورت زلزلہ زمین سے آیا اور انہیں سچ سچ لڑا دیا اور غارت و برباد ہو کر خود ہی نقصان میں پھنس گئے یہاں اس طرح بیان ہوا۔

سورہ ہود میں بیان ہے کہ آسمانی کڑا کے کی آواز سے یہ ہلاک کئے گئے وہاں یہ بھی بیان ہے کہ انہوں نے اپنے وطن سے نکل جانے کی دھمکی ایمان داروں کو دی تھی تو آسمانی ڈانٹ کی آواز نے ان کی آواز پست کر دی اور ہمیشہ کے لئے یہ خاموش کر دیئے گئے۔

سورہ شعراء میں بیان ہے کہ بادل ان پر سے عذاب بن کر برسا کیونکہ وہ ہیں ذکر ہے کہ خود انہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ واقعہ یہ ہے کہ تینوں عذاب ان پر ایک ساتھ آئے ادھر ابر اٹھا جس سے شعلہ باری ہونے لگی آگ برسنے لگی ادھر تند اور سخت کڑا کے کی آواز آئی ادھر زمین پر زلزلہ آیا۔ نیچے اوپر کے عذابوں سے دیکھتے ہی دیکھتے تہہ و بالا کر دیئے گئے اپنی اپنی جگہ ڈھیر ہو گئے یا وہ وقت تھا کہ یہاں سے مومنوں کو نکالنا چاہتے تھے یا یہ وقت ہے کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی وقت یہاں یہ لوگ آباد بھی تھے یا مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ تم نقصان میں اترو گے یا یہ ہے کہ خود برباد ہو گئے۔

(آیت: ۹۳) قوم پر اللہ کا عذاب آچکنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام وہاں سے چلے اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے فرمایا کہ میں سبکدوش ہو چکا ہوں اللہ کا پیغام سنا چکا سمجھا بجا چکا، غم خواری ہمدردی کر چکا، لیکن تم کافر کے کافر ہی رہے اب مجھے کیا پڑی کہ تمہارے انسوس میں اپنی جان ہلکان کروں؟

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا
بِالْبَأْسَاءِ وَالصَّرَآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ﴿۹۵﴾ ثُمَّ بَدَلْنَا مَكَانَ
السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا
الصَّرَآءُ وَالسَّرَآءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ أَنَّ
أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۷﴾

ہم نے جس بستی میں جس نبی کو بھیجا وہاں والوں کو تنگی اور سختی رنج و تکلیف میں مبتلا کر کے موقعہ دیا کہ وہ عاجزی اور زاری کر لیں ○ پھر ہم نے اس تکلیف کے بدلے راحت و آسانی اس قدر دی کہ وہ بھول گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو بھی تو سختی نری پہنچتی تھی آخرش ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی ○ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسان و زمین کی برکتیں کشادہ کر دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کے کرے کو تک (اعمال) کے بدلے انہیں گرفتار کر لیا ○ کیا شہروں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہو چکے ہیں ○؟

ادوار ماضی: ☆ ☆ (آیت: ۹۴-۹۵) سابقہ امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور ان کے انکار پر وہ امتیں مختلف بلاؤں میں مبتلا کی گئیں مثلاً بیماریاں، فقیری، تنگی، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اکڑنا چھوڑ دیں اور اس کے سامنے جھک جائیں، مصیبتوں کے ٹالنے کی دعائیں کریں اور اس کے رسول کی مان لیں، لیکن انہوں نے اس موقعہ کو ہاتھ سے نکال دیا، باوجود بری حالت ہونے کے دل کا کفر نہ ٹوٹا، اپنی ضد سے نہ ہٹے تو ہم نے دوسری طرح پھر ایک موقعہ دیا۔ سختی کو نرمی سے، برائی کو بھلائی سے، بیماری کو تندرستی سے، فقیری کو امیری سے بدل دیا تاکہ شکر کریں اور ہماری حکمرانی کے قائل ہو جائیں، لیکن انہوں نے اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا، جیسے جیسے بڑھے ویسے ویسے کفر میں پھنسے، بد مستی میں اور بڑھے اور مغرور ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ زمانہ کے اتفاقات ہیں پہلے سے یہی ہوتا چلا آیا ہے، کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا، الغرض اتفاق پر محمول کر کے معمولی سی بات سمجھ کر دونوں موقع مال دینا اور ایمان والے دونوں حالتوں میں عبرت پکڑتے ہیں مصیبت پر صبر، راحت پر شکر، ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مؤمن پر تعجب ہے اس کی دونوں حالتیں انجام کے لحاظ سے اس کے لئے بہتر ہوتی ہیں یہ دکھ پر صبر کرتا ہے، انجام بہتر ہوتا ہے، سکھ پر شکر کرتا ہے، نیکیاں پاتا ہے پس مؤمن رنج و راحت دونوں میں اپنی آزمائش کو سمجھ لیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے بلاؤں کی وجہ سے مؤمن کے گناہ بالکل دور ہو جاتے ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ہاں منافق کی مثال گدھے جیسی ہے جسے نہیں معلوم کہ کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا؟ (او کما قال) پس ان لوگوں کو اس کے بعد اللہ کے عذاب نے اچانک آ پکڑا، یہ محض بے خبر تھے، اپنی خرمستیوں میں لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اچانک موت مؤمن کے لئے رحمت ہے اور کافروں کے لئے حسرت ہے۔

عوام کی فطرت: ☆ ☆ (آیت: ۹۶) لوگوں سے عام طور پر جو غلطی ہو رہی ہے اس کا ذکر ہے کہ عموماً ایمان سے اور نیک کاموں سے بھاگتے رہتے ہیں۔ صرف حضرت یونس علیہ السلام کی پوری بستی ایمان لائی تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ عذابوں کو دیکھ لیا اور یہ بھی صرف ان کے ساتھ ہی ہوا کہ آئے ہوئے عذاب واپس کر دیئے گئے اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے سے بچ گئے، یہ لوگ ایک لاکھ بلکہ زائد تھے اپنی

پوری عمر تک پہنچے اور دینیوی فائدے بھی حاصل کرتے رہے۔

تو فرماتا ہے کہ اگر نبیوں کے آنے پر ان کے امتی صدق دل سے ان کی تابعداری کرتے، برائیوں سے رک جائے اور نیکیاں کرنے لگتے تو ہم ان پر کشادہ طور پر بارشیں برساتے اور زمین سے پیداوار آگاتے، لیکن انہوں نے رسولوں کی نہ مانی بلکہ انہیں جھوٹا سمجھا اور روبرو جھوٹا کہا، برائیوں سے، حرام کاریوں سے ایک انج نہ بنے، اس وجہ سے تباہ کر دیئے گئے۔ کیا کافروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ راتوں رات ان کی بے خبری میں ان کے سوتے ہوئے عذاب الہی آجائے اور یہ سوتے کے سوتے رہ جائیں؟ کیا انہیں ڈرنہیں لگتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن دھاڑے ان کے کھیل کود اور غفلت کی حالت میں اللہ جل جلالہ کا عذاب آجائے؟ اللہ کے عذابوں سے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے، اس کی بے پایاں قدرت کے اندازے سے غافل وہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ بربادی کی طرف بڑھے چلے جاتے ہوں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن نیکیاں کرتا ہے اور پھر ڈرتا رہتا ہے اور فاسق فاجر شخص برائیاں کرتا ہے اور بے خوف رہتا ہے، نتیجے میں مومن اسن پاتا ہے اور فاجر پھین دیا جاتا ہے۔

أَفَمِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۱۰۵﴾
 أَوْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضَحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۱۰۶﴾
 أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ؟ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۰۷﴾
 أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَنَهُم بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۸﴾

کہ ان کے پاس راتوں رات ہمارے عذاب آجائیں؟ اور وہ سوتے پڑے ہوئے ہوں؟ ○ یا ان شہریوں پر دن چڑھے ہمارے عذابوں کے آجانے سے یہ نڈر ہیں کہ اس وقت یہ اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں؟ ○ کیا یہ اللہ کے داؤں سے مطمئن ہو چکے ہیں؟ یاد رکھو اللہ کے داؤں لگات سے بے خوف وہی ہوتے ہیں جو سخت نقصان اٹھانے والے ہوں ○ اس زمین پر رہنے سہنے والوں کے بعد جو اس کے وارث بننے ہیں، کیا انہیں بھی یہ ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کی بدکرداریوں پر عذاب کریں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ یہ سُن ہی نہیں ○

گناہوں میں ڈوبے لوگ؟ ☆ ☆ (آیت: ۹۷-۱۰۰) ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا اور ہم نے انہیں تاخت و تاراج کیا۔ دوسرا گروہ ان کے قائم مقام ہوا تو کیا اس پر بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اگر وہ بد اعمالیاں کریں گے تو اپنے سے اگلوں کی طرح کھو دیئے جائیں گے؟ جیسے فرمان ہے أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ أَلَيْسَ لِي بِهَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ اب تک سمجھ نہیں آتی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی آباد بستیاں اجاڑ کر رکھ دیں جن کے مکانوں میں اب یہ رہتے سہتے ہیں، اگر یہ عقل مند ہوتے تو ان کے لئے بہت سی عبرتیں تھیں۔ اور اس بیان کے بعد کی آیت میں ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، کیا یہ سن نہیں رہے؟ ایک آیت میں فرمایا، تم اس سے پہلے پورے یقین سے کہتے تھے کہ تمہیں زوال آنے کا ہی نہیں حالانکہ تم جن کے گھروں میں تھے وہ خود بھی اپنے مظالم کے سبب تباہ کر دیئے گئے تھے، خالی گھر رہ گئے۔ ایک اور آیت میں ہے وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ إِلَّا أَن سَأَلُوا فِي حَيَاتِهِمْ لِقَاءَ رَبِّهِمْ أَلَيْسَ لِي بِهَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ اب تک

بستیاں تباہ کر دیں، نہ ان میں سے اب کوئی نظر آئے، نہ کسی کی آواز سنائی دے۔ اور آیت میں ہے کہ وہ لوگ تو ان سے زیادہ مست تھے، مال دار تھے، عیش و عشرت میں تھے، راحت و آرام میں تھے، اوپر سے ابر برستا تھا، نیچے سے چشمے بہتے تھے، لیکن گناہوں میں ڈوبے رہے کہ آخرت میں نہیں ہو گئے اور دوسرے لوگ ان کے قائم مقام آئے۔

عادیوں کی ہلاکت کا بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ ایسے عذاب اچانک آ گئے کہ ان کے وجود کی دجھیاں اڑ گئیں، کھنڈر کھڑے رہ گئے اور کسی چیز کا نام و نشان نہ بچا، مجرموں کا یہی حال ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیوی وجاہت بھی ان کے پاس تھی۔ آنکھ، کان، دل سب تھا لیکن اللہ جل شانہ کی باتوں کا تسخر کرنے پر اور ان کے انکار پر جب عذاب آیا تو حیران و ششدر رہ گئے، نہ عقل آئی، نہ اسباب بچے۔ اپنے آس پاس کی ویران بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کر، انگلوں نے جھٹلایا تو دیکھ لو، کس طرح برباد ہوئے؟ تم تو ابھی تک ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، تم سے پہلے کے منکروں پر میرے عذاب آئے، انہیں غور سے سنو، ظالموں کی بستیاں میں نے المٹ دیں اور ان کے محلات کھنڈر بنا دیئے۔ زمین میں چل پھر کر، آنکھیں کھول کر، کان لگا کر ذرا عبرت حاصل کر، جس کی آنکھیں نہ ہوں، وہی اندھا نہیں بلکہ سچ بچ اندھا وہ ہے جس کی دلی آنکھیں بے کار ہوں۔ اگلے گلیوں کے ساتھ بھی مذاق اڑائے گئے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے مذاق کرنے والوں کا نشان مٹ گیا، ایسے گھبرے گئے کہ ایک بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں سچی ہیں، اس کے وعدے اٹل ہیں، وہ ضرور اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو نیچا دکھاتا ہے۔

تِلْكَ الْقَرْيُ نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۖ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ
كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا
لَا كَثْرَهُمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَسِيقِينَ ۝

یہ ہیں وہ بستیاں جن کے کچھ حالات ہم تجھے سنا رہے ہیں، ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانات لے کر پہنچ چکے، لیکن جسے وہ اس سے پہلے جھٹلا چکے تھے اسے مان کر ہی نہ دیا، منکروں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ○ ہم نے ان کے اکثر لوگوں میں عہد کا پاس پایا ہی نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے بے حکم اور

بدکاری پایا ○

عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا: ☆ ☆ (آیت: ۱۰۱-۱۰۲) پہلے قوم نوح، ہود، صالح، لوط اور قوم شعیب کا بیان گزر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان سب کے پاس ہمارے رسول حق لے کر پہنچے، معجزے دکھائے، سمجھایا، بجھایا، دلیلین دیں لیکن وہ نہ مانے اور اپنی بد عادتوں سے باز نہ آئے، جس کی پاداش میں ہلاک ہو گئے، صرف ماننے والے بچ گئے۔ اللہ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے کہ جب تک رسول نہ آ جائیں، خبردار نہ کر دیئے جائیں، عذاب نہیں دیئے جاتے، ہم ظالم نہیں لیکن جبکہ لوگ خود ظلم پر کمر کس لیں تو پھر ہمارے عذاب انہیں آ پکڑتے ہیں۔ ان سب نے جن چیزوں کا انکار کر دیا تھا، ان پر باوجود دلیلین دیکھ لینے کے بھی ایمان نہ لائے۔ بِمَا كَذَّبُوا میں ”ب“ سمیہ ہے جیسے وَإِذَا سَمِعُواكَ الْبُرْهَانَ فَكَفَرُوا ۚ وَمَا كَانَ كُفْرَهُمْ إِلَّا عُتُوًّا وَبُغْضًا ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ (آیت: ۱۰۱-۱۰۲) ہم نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو المٹ دیں گے، جیسے کہ یہ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں

بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

یہاں بھی فرمان ہے کہ کفار کے دلوں پر اسی طرح ہم مہریں لگا دیا کرتے ہیں ان میں سے اکثر بد عہد ہیں بلکہ عموماً فاسق ہیں یہ عہد وہ ہے جو روز ازل میں لیا گیا اور اسی پر پیدا کئے گئے اسی فطرت اور جبلت میں رکھا گیا اسی کی تاکید انبیاء علیہم السلام کرتے رہے، لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا یا مطلق پرواہ نہ کی اور اس عہد کے خلاف غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی اللہ کو مالک خالق اور لائق عبادت مان کر آئے تھے لیکن یہاں اس کے سراسر خلاف کرنے لگے اور بے دلیل، خلاف عقل و نقل، خلاف فطرت اور خلاف شرع اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت میں لگ گئے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد اور یکطرفہ پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

بخاری و مسلم میں ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی نصرانی مجوسی بنا لیتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں ہے ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں اے دنیا کے لوگو! تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیت میں ہے تم اپنے سے پہلے کے رسولوں سے دریافت کر لو! کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود ان کے لئے مقرر کئے تھے؟ اور فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ اس جملے کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں یہ بات مقرر ہو گئی تھی کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

یہی ہو کر رہا کہ باوجود دلائل سامنے آ جانے کے ایمان نہ لائے، یثاق والے دن گو یہ ایمان قبول کر بیٹھے لیکن ان کے دلوں کی حالت اللہ جل شانہ کو معلوم تھی کہ ان کا ایمان جبراً اور ناخوشی سے ہے جیسے فرمان ہے کہ یہ اگر دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی کام نئے سرے سے کرنے لگیں گے جن سے انہیں روکا گیا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
فَظَلَمُوا بِهَا فَأَنْظِرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَقَالَ
مُوسَىٰ يَفِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ حَقِيقٌ عَلَىٰ
أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ
رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ إِن كُنْتَ جِئْتَ
بِآيَةٍ فَآتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

ان کے بعد پھر ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتیں دے کر فرعون اور فرعونوں کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے بھی ہماری نشانیں کا انکار کر دیا اب تو آپ دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں تمام جہانوں کے پالنے والے کا پیغمبر ہوں ○ میری شان اسی قابل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف سچ ہی کہوں میں تو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے معجزہ بھی لایا ہوں تو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دے ○ اس نے کہا کہ اگر تو واقعی کوئی معجزہ لایا ہے تو اسے پیش کر اگر تو چوں میں سے ہے ○

نابکار لوگوں کا تذکرہ -- انبیاء اور مومنین پر نظر کرم: ☆ ☆ (آیت: ۱۰۳) جن رسولوں کا ذکر گذر چکا ہے یعنی نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، صلوات اللہ و سلامہ علیہم و علی سائر الانبیاء اجمعین کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دلیلیں عطا فرما کر بادشاہ مصر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا، لیکن انہوں نے بھی جھٹلایا اور ظلم و زیادتی کی اور صاف انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دلوں میں یقین گھر کر چکا تھا۔ اب خود دیکھ لو کہ اللہ کی راہ سے رکنے والوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ مع اپنی قوم کے ڈبویئے گئے اور پھر لطف یہ ہے کہ مومنوں کے سامنے بے کسی کی پڑ میں پڑ لئے گئے تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور عبرت ہو۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون: ☆ ☆ (آیت: ۱۰۴-۱۰۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور فرعون کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ کے کلیم نے فرمایا کہ اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں، جو تمام عالم کا خالق و مالک ہے، مجھے یہی لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی باتیں کہوں جو سراسر حق ہوں۔ "ب" اور "علی" یہ متعاقب ہوا کرتے ہیں جیسے رَمِيتْ بِالْقَوْسِ اور رَمِيتْ عَلِی الْقَوْسِ وغیرہ۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں حقیق کے معنی حریص کے ہیں۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مجھ پر واجب اور حق ہے کہ اللہ ذوالسنن کا نام لے کر وہی خبر دوں جو حق و صداقت والی ہو کیونکہ میں اللہ عزوجل کی عظمت سے واقف ہوں۔ میں اپنی صداقت کی الہی دلیل بھی ساتھ ہی لایا ہوں، تو قوم بنی اسرائیل کو اپنے مظالم سے آزاد کر دے، انہیں اپنی زبردستی کی غلامی سے نکال دے، انہیں ان کے رب کی عبادت کرنے دے، یہ ایک زبردست بزرگ پیغمبر کی نسل سے ہیں یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ فرعون نے کہا، میں تجھے سچا نہیں سمجھتا نہ تیری طلب پوری کروں گا اور اگر تو اپنے دعوے میں واقعہ ہی سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کر۔

فَالْتَقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ
فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنُّظُرِ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَأَمِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ
إِنَّ هَذَا السِّحْرُ عَلَيْنَا ۖ يَأْتِيكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ
فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۱۰۹﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ
حَشْرِينَ ﴿۱۱۰﴾ يَا تَوَكُّبِكُمْ سِحْرٌ عَلَيْنَا ۖ

اس پر آپ نے اپنی لکڑی ڈال دی جو اسی وقت کھلم کھلا اڑدھا بن گئی اور پناہ تھ بھنچ نکالا تو وہ ہر دیکھنے والے کی نگاہ میں اسی وقت چمکیلا بن گیا ○ فرعون کی قوم کے درباریوں نے کہا بھی یہ تو کوئی بہت بڑا دانا جادوگر ہے ○ یہ تمہیں تمہارا ملک سے نکال دینا چاہتا ہے اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ○ کہنے لگے اسے اور اس کے بھائی کو تو چھوڑ اور تمام شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے ○ کہ وہ تمام دانا جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں ○

عصائے موسیٰ اور فرعون: ☆ ☆ (آیت: ۱۰۷-۱۰۸) آپ نے فرعون کی اس طلب پر اپنے ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دی جو بہت بڑا سانپ بن گئی اور منہ پھاڑے فرعون کی طرف لپکی، وہ مارے خوف کے تحت پر سے کود گیا اور فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ اللہ کے لئے اسے روک

اس نے اس قدر اپنا منہ کھولا تھا کہ نیچے کا جڑا تو زمین پر تھا اور اوپر کا جڑا اٹھل کی بلندی پر خوف کے مارے فرعون کی ہوا نکل گئی اور چیخنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لے، میں ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے اسی وقت اس پر ہاتھ رکھا اور وہ اسی وقت لکڑی جیسی لکڑی بن گیا۔ حضرت وہب فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی فرعون کہنے لگا، میں تجھے پہچانتا ہوں، آپ نے فرمایا یقیناً، اس نے کہا تو نے بچپن ہمارے گھر کے ککڑوں پر ہی تو گزارا ہے، اس کا جواب حضرت موسیٰ دے ہی رہے تھے کہ اس نے کہا، اسے گرفتار کر لو، آپ نے جھٹ سے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی جس نے سانپ بن کر ان پر حملہ کر دیا اور بدحواسی میں ایک دوسرے کو کچلتے اور قتل کرتے ہوئے وہ سب کے سب بھاگے، چنانچہ پچیس ہزار آدمی اس ہنگامے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے اور فرعون سیدھا اپنے گھر میں گھس گیا لیکن اس واقعہ کے بیان کی سند میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح دوسرا معجزہ آپ نے یہ ظاہر کیا کہ اپنا ہاتھ اپنی چادر میں ڈال کر نکالا تو بغیر اس کے کہ کوئی روگ یا برص یا داغ ہو، وہ سفید چمکتا ہوا بن کر نکل آیا جسے ہر ایک نے دیکھا، پھر ہاتھ اندر کیا تو جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

در بار یوں سے مشورے ہوئے! ☆☆ (آیت: ۱۰۹-۱۱۰) جب ڈر خوف جاتا رہا، فرعون پھر سے اپنے تخت پر آ بیٹھا اور درباریوں کے اوسان درست ہو گئے تو فرعون نے کہا، بھئی مجھے تو یہ جادو گر لگتا ہے اور ہے بھی بڑا استاد، ان لوگوں نے اس کی تائید کی اور کہا حضور درست فرما رہے ہیں۔ اب مشورے کرنے لگے کہ اگر یہ معاملہ یونہی رہا تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں گے اور جب یہ قوت پکڑے گا تو ہم سے بادشاہت چھین لے گا، ہمیں جلاوطن کر دے گا، بتاؤ کیا کرنا چاہئے؟ اللہ کی شان ہے جس سے خوف کھایا، وہی سامنے آیا۔

در بار یوں کا مشورہ: ☆☆ (آیت: ۱۱۱-۱۱۲) درباریوں نے مشورہ دیا کہ ان دونوں بھائیوں کا معاملہ تو اس وقت رفع دفع کر دے اسے ملتوی رکھو اور ملک کے ہر حصے میں ہر کارے بھیج دو جو جادو گروں کو جمع کر کے آپ کے دربار میں لائیں، تو جب تمام استاد فن جادو گر آ جائیں، ان سے مقابلہ کرایا جائے تو یہ ہار جائے گا اور منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا، یہ اگر جادو جانتا ہے تو ہماری رعایا میں جادو گروں کی کیا کمی ہے؟ بڑے بڑے ماہر جادو گر ہم میں موجود ہیں جو اپنے فن میں بے نظیر ہیں اور بہت چست و چالاک ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ ہم سمجھ گئے کہ تو جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دینے کے ارادے سے آیا ہے، تو اگر تجھ میں کوئی سکت ہے تو آ ہاتھ ملا، ہم تجھ سے مقابلے کا دن اور جگہ مقرر کرتے ہیں اور جگہ مقرر ہو جائے پھر جو بھاگے وہی ہارا، آپ نے فرمایا اچھا یہ ہوس بھی نکال لو، جاؤ تمہارا عید کا دن مجھے منظور ہے اور دن چڑھے اجالے کا وقت اور شرط یہ ہے کہ یہ مقابلہ جمع عام میں ہو، چنانچہ فرعون اس تیاری میں مصروف ہو گیا۔

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغَالِبِينَ ۗ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۗ قَالُوا
يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ۗ
قَالَ الْقَوَّاءُ فَلَمَّا الْقَوَّاءُ سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوا
هُمَّ وَجَاءَ وَسِحْرٍ عَظِيمٍ ۗ

جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ○ فرعون نے کہا ہاں ہاں بلکہ تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے ○ کہنے لگے اے موسیٰ یا تو تم ہی ڈالو یا ہم آپ ہی ڈالنے والے بن جائیں ○ آپ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو تو جب وہ ڈال چکے لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نے نچاؤ کر دیا اور ان سب کو ہیبت زدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو لائے ○

(آیت: ۱۱۳-۱۱۴) جادوگروں نے پہلے ہی سے فرعون سے قول و قرار لے لیا تاکہ محنت خالی نہ جائے اور اگر ہم جیت جائیں تو خالی ہاتھ نہ رہ جائیں، فرعون نے وعدہ کیا کہ منہ مانگا انعام اور ہمیشہ کے لئے خاص درباریوں میں داخلہ دوں گا، جادوگر یہ قول و قرار لے کر میدان میں اتر آئے۔

جادوگروں سے مقابلہ: ☆ ☆ (آیت: ۱۱۵-۱۱۶) جادوگروں کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا، وہ سب فی الحقیقت اپنے اس فن کے لاجواب استاد تھے، اس لئے انہوں نے آتے ہی حضرت موسیٰ کو چیلنج دیا کہ لو ہوشیار ہو جاؤ، تمہیں اختیار ہے میدان میں اپنے کرتب پہلے دکھاؤ اور اگر کہو تو پہلے ہم کر دیں، آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ تمہارے حوصلے نکل جائیں اور لوگ تمہارا کمال فن دیکھ لیں اور پھر اللہ کی قدرت کو بھی دیکھ لیں اور حق و باطل میں دیکھ بھال کر فیصلہ کر سکیں، وہ تو یہہ چاہتے ہی تھے۔ انہوں نے جھٹ سے اپنی رسیاں اور لکڑیاں نکال نکال کر میدان میں ڈالنی شروع کر دیں، ادھر وہ میدان میں پڑتے ہی چلتی پھرتی اور بنی بنائی سانپ معلوم ہونے لگیں، یہ صرف نظر بندی تھی، فی الواقع خارج میں اس کا وجود بدل نہیں گیا تھا بلکہ اس طرح لوگوں کو دکھائی دیتی تھیں کہ گویا زندہ ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خطرہ محسوس کرنے لگے، اللہ کی طرف سے اسی وقت وحی آئی کہ خوف نہ کرو تو ہی غالب رہے گا، اپنے دائیں ہاتھ کی لکڑی ڈال تو سبھی ان کا کیا دھرا یہ تو سب ہڑپ کر جائے گی، یہ سب تو جادوگری کا کرشمہ ہے، بھلا جادو والے بھی کبھی کامیاب ہوئے ہیں؟ بڑی موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں انہوں نے ڈالی تھیں جو سب چلتی پھرتی دوڑتی بھاگتی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ جادوگر پندرہ ہزار یا تیس ہزار سے اوپر اوپر تھے یا ستر ہزار کی تعداد میں تھے، ہر ایک اپنے ساتھ رسیاں اور لکڑیاں لایا تھا، صف بستہ کھڑے تھے اور لوگ چاروں طرف موجود تھے، ہر ایک ہمہ تن شوق بنا ہوا تھا، فرعون اپنے لاؤ لنگر اور درباریوں سمیت بڑے رعب سے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، ادھر وقت ہوا، ادھر سب کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایک درویش صفت اللہ کا نبی اپنے ساتھ اپنے بھائی کو لئے ہوئے لکڑی نکاتے ہوئے آ رہے ہیں، یہ تھے جن کے مقابلے کی یہ دھوم دھام تھی، آپ کے آتے ہی جادوگروں نے صرف یہ دریافت کر کے کہ ابتدا کس کی طرف سے ہونی چاہئے خود ابتدا کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، پھر فرعون کی، پھر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کر کے سب کو ہیبت زدہ کر دیا، اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی رسیاں اور لائیں پھینکیں تو ہزار ہا کی تعداد میں پہاڑوں کے برابر سانپ نظر آنے لگے جو اوپر تلے ایک دوسرے سے لپٹ رہے تھے، ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں، میدان بھر گیا ہے، انہوں نے اپنے فن کا پورا مظاہرہ کر دکھایا۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ مُوسَىٰ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
يَأْفِكُونَ ﴿١١٥﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٦﴾
فَغَلَبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صُغُرًا ﴿١١٧﴾ وَاَلْقَى السَّحَرَةُ
سُجُودًا ﴿١١٨﴾ قَالُوا اِنَّا رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١١٩﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٢٠﴾

پر کھل گیا ہے تم سب مع موسیٰ کے ایک ہی ہو یہ تمہارا استاد ہے تم اس کے شاگرد ہو تم نے آپس میں پہلے یہ طے کیا کہ تو پہلے چلا جا پھر ہم آ جائیں گے اس طرح میدان قائم ہو ہم مصنوعی لڑائی لڑ کر ہار جائیں گے اور اس طرح اس ملک کے اصلی باشندوں کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ فرعون کے اس جھوٹ پر اللہ کی مار ہے کوئی بیوقوف انسان بھی اس کے ایک جملہ کو بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ سب کو معلوم تھا موسیٰ علیہ السلام اپنا بیچین فرعون کے محل میں گزارتے ہیں اس کے بعد مدین میں عمر کا ایک حصہ بسر کرتے ہیں مدین سے سیدھے مصر کو پہنچ کر اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں اور معجزے دکھاتے ہیں جن سے عاجز آ کر فرعون اپنے جادو گروں کو جمع کرتا ہے وہ براہ راست اس کی سپاہ کے ساتھ اس کے دربار میں پیش ہوتے ہیں انعام و اکرام کے لالچ سے ان کے دل بڑھائے جاتے ہیں وہ اپنی فتح مندی کا یقین دلاتے ہیں فرعون انہیں اپنی رضا مندی کا یقین دلاتا ہے اور خوب تیاریاں کر کے میدان جماتے ہیں۔

حضرت موسیٰ ان میں سے ایک سے بھی واقف نہیں کبھی نہ کسی کو دیکھا ہے نہ سنا ہے نہ طے ہیں نہ جانتے ہیں لیکن وزیرے جنیس شہر یارے چناں وہاں تو ان لوگوں کا مجمع تھا کہ فرعون نے جب کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں تو سب نے گردنیں جھکا کر کہا بے شک جناب آپ ہمارے رب ہیں تو ایسے جہالت کے پلندوں سے کوئی بات منوالینی کیا مشکل تھی؟ اس کے رعب میں آ کر ایمان لانے کا ارادہ بدلا اور سمجھ بیٹھے کہ واقعی فرعون ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں کے امیر سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ جاؤں تو کیا تو مجھ پر ایمان لائے گا؟ اس نے کہا آج میدان میں ہماری جانب جو جادو پیش کیا جائے گا اس کا جواب ساری مخلوق کے پاس نہیں تو اگر اس پر غالب آ گیا تو مجھے بے شک یقین ہو جائے گا کہ وہ جادو نہیں معجزہ ہے۔ یہ گفتگو فرعون کے کانوں تک پہنچی اسے یہ دوہرا رہا ہے کہ تم نے ملی بھگت کر لی۔ اس طرح لوگوں کے دل حقانیت سے ہٹا کر انہیں بدظن کرنے کے لئے دوسری چال یہ چلتا اور کہتا ہے کہ تم اپنے اکیلے اتفاق اور پوشیدہ چال سے چاہتے ہو کہ ہماری دولت و شوکت چھین لو ہمیں یہاں سے نکال باہر کرو۔ اس طرح اپنی قوم کے دل ان کی طرف سے پھیر کر پھر انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے چوتھی چال چلتا ہے کہ ان نو مسلموں سے کہتا ہے کہ دیکھو تو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ سو میں کتنے بیس ہوتے ہیں۔ مجھے بھی قسم ہے جو تمہارے ہاتھ پاؤں نہ کٹوائے اور وہ بھی اسی طرح یعنی پہلے اگر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے تو پھر پایاں پاؤں اور اگر پہلے سیدھا پاؤں کاٹا گیا تو پھر الٹا ہاتھ اسی طرح بے دست و پا کر کے کھجوروں کی شاخوں پر لٹکا دوں گا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس ظالم بادشاہ سے پہلے ان دونوں سزاؤں کا رواج نہ تھا یہ دھمکی دے کر وہ سمجھتا تھا کہ اب یہ نرم پڑ جائیں گے لیکن وہ تو ایمان میں اور پختہ ہو گئے بالاتفاق جواب دیتے ہیں کہ اچھا ڈرایا؟ یہاں سے تو واپس اللہ کے پاس جانا ہی ہے اسی کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے آج اگر تیری سزاؤں سے بچ گئے تو کیا اللہ کے ہاں کی سزائیں بھی معاف ہو جائیں گی؟ ہمارے نزدیک تو دنیا کی سزائیں بھگت لینا بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بھگتنے کے بہت ہی آسان ہے تو ہم سے اللہ کے نبی کا مقابلہ کرا چکا ہے لیکن اب جبکہ ہم پر حق واضح ہو گیا ہم اس پر ایمان لے آئے تو تو چڑ رہا ہے کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں ہمارا قدم پھسل نہ جائے۔ اس لئے دعا میں دل کھول دیا کہ اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما ثابت قدمی دے ہمیں اسلام پر ہی موت دے تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوں ایسا نہ ہو اس ظالم کے رعب میں یا اس کی دھمکیوں میں آ جائیں یا سزاؤں سے ڈر جائیں یا ان کے برداشت کی تاب نہ لائیں۔ ان دعاؤں کے بعد دل بڑھ جاتے ہیں ہمتیں دوگنا ہو جاتی ہیں۔ فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہیں تجھے جو کرنا ہے اس میں کمی نہ کر کوئی کسر اٹھا نہ رکھ جو جی میں ہے کر گذر تو تو دنیا ہی میں سزائیں دے سکتا ہے ہم صبر کر لیں گے کیا

عجب کہ ہمارے ایمان کی وجہ سے اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے خصوصاً اس وقت کی یہ خطا کہ ہم نے جھوٹ سے سچ کا مقابلہ کیا، بے شک اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ گناہگاروں کے لئے اس کے ہاں جہنم کی سزا ہے جہاں نہ موت آئے نہ کارآمد زندگی ہو اور مومنوں کے لئے اس کے پاس جنتیں ہیں جہاں بڑے بلند درجے ہیں۔ سبحان اللہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں کافر اور جاہلوں کے تھے اور اسی دن کے آخری حصے میں مومن بلکہ نیک شہید تھے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَدْرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ
لَيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذُرُكَ وَالْهَتَّكَ قَالَ سُنْقَلِ ابْنَاءَهُمْ
وَلَسْتَ حَى نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۲۷﴾

فرعون کے قومی سرداروں نے کہا کہ کیا اے بادشاہ آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو یوں ہی زمین میں فساد مچانے دیا کریں گے؟ کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو بھی چھوڑ بیٹھیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، ہم تو ان کے لڑکوں کو قتل کر دیا کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے، ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں ○

آخری حربہ بغاوت کا الزام: ☆ ☆ (آیت: ۱۲۷) فرعون اور فرعونیت نے حضرت موسیٰ اور مسلمانوں کے خلاف جو منصوبے سوچے ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کو ان مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہے۔ کہنے لگے یہ تو آپ کی رعایا کو بہکاتے ہیں بغاوت پھیلا دیں گے، ملک میں بد امنی پیدا کریں گے، ان کا ضرر اور جلد کوئی انتظام کرنا چاہئے۔ اللہ کی شان دیکھئے یہ کیسے مصلح بنے ہوئے ہیں کہ اللہ کے رسول اور مومنوں کے فساد سے دنیا کو بچانا چاہتے ہیں حالانکہ مفسد اور بد نفس خود ہیں۔ وَيَذُرُكَ میں بعض تو کہتے ہیں واؤ حالیہ ہے یعنی درآں حالیکہ موسیٰ اور قوم موسیٰ نے تیری پرستش چھوڑ رکھی ہے، پھر بھی تو انہیں زندہ رہنے دیتا ہے؟ حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں ہے وَقَدْ تَرَكَكَ أَنْ يَعْبُدُوا إِلَهَتَكَ اور قول ہے کہ واؤ عاطفہ ہے یعنی تو نے انہیں چھوڑ رکھا ہے، جس فساد کو یہ برپا کر رہے ہیں اور تیرے معبودوں کے چھوڑنے پر افسوس ہے۔ بعض کی قرأت الْإِهْتِكَ ہے یعنی تیری عبادت سے۔ بعض کا بیان ہے کہ فرعون بھی کسی کی پوجا کرتا تھا۔

ایک قول ہے کہ اسے وہ پوشیدہ راز میں رکھتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا بت اس کی گردن میں ہی لٹکتا رہتا تھا جسے یہ سجدہ کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی بہترین گائے پر فرعون کی نگاہ پڑ جاتی تو لوگوں سے کہہ دیتا کہ اس کی پرستش کرو، اسی لئے سامری نے بھی بنی اسرائیل کے لئے جھجھرا نکالا۔ الغرض اپنے سرداروں کی بات سن کر فرعون جواب دیتا ہے کہ اب ان کے لئے ہم احکام جاری کریں گے کہ ان کے ہاں جو اولاد ہو دیکھی جائے، اگر لڑکا ہو تو قتل کر دیا جائے، لڑکی ہو تو زندہ چھوڑ دی جائے۔ پہلے سرکش فرعون ان مساکین کے ساتھ یہی کر چکا تھا جبکہ اسے یہ منظور تھا کہ حضرت موسیٰ پیدا ہی نہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب آیا اور حضرت موسیٰ باوجود اس کے حکم کے زندہ و سالم بچے رہے۔ اب دوبارہ اس نے یہی قانون جاری کر دیا تا کہ بنی اسرائیل کی جمعیت ٹوٹ جائے، یہ کمزور پڑ جائیں اور بالاخر ان کا نام مٹ جائے، لیکن قدرت نے اس کا بھی خلاف کر دکھایا، اس کو اور اس کی قوم کو غارت کر دیا اور بنی اسرائیل کو اوج و ترقی پر پہنچا دیا۔

قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ
يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوا أَوْذَيْنَا
مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ

يَهْلِكْ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو زمین کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دیتا ہے انجام کار کی بہتری پر ہیزگاروں ہی کا حصہ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں تو تکلیفیں پہنچائی جاتی رہیں اور آپ ہمارے پاس آچکے اس کے بعد بھی فرمایا بہت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو بالکل ہی تاخت و تاراج کر دے اور خود تمہیں ہی زمین کا خلیفہ بنا دے پھر دیکھ لے کہ تم کیسے کچھ اعمال کرتے ہو؟ ○

(آیت: ۱۲۸-۱۲۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تکبر کے مقابلے میں تحمل اور اس کے ظلم کے مقابلے میں صبر سے کام لیا اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ فرما چکا ہے کہ ہر لحاظ سے تم ہی اچھے رہو گے تم اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ قوم کے لوگوں نے کہا اے اللہ کے نبی آپ کی نبوت سے پہلے بھی ہم اس طرح ستائے جاتے رہے اسی ذلت و اہانت میں مبتلا رہے اور اب پھر یہی نبوت آئی ہے آپ نے مزید تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں یقین مانو کہ تمہارا بدخواہ ہلاک ہوگا اور تم کو اللہ تعالیٰ اوج پر پہنچائے گا۔ اس وقت وہ دیکھے گا کہ کون کتنا شکر بجالاتا ہے؟ تکلیف کا ہٹ جانا راحت کامل جانا انسان کو نہال نہال کر دیتا ہے یہ پورے شکرے کا وقت ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَكَّرُونَ ﴿١٢٨﴾ فَاذْأَبَاءَهُمُ الْحَسَنَةَ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ إِلَّا إِنَّمَا ظَنُّهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٢٩﴾ وَقَالُوا مَهْمَاتَاتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٠﴾

ہم نے فرعونوں کو قحط سالیوں اور بھلوں کی کمی میں گرفتار کیا کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ انہیں جب راحت ملتی کہتے ہم اسی کے قابل ہیں اور جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست سے بتاتے آگاہ رہو کہ ان کی بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے لیکن یہ محض بے خبر ہیں ○ کہنے لگے کہ موسیٰ تو ہمیں جادو کرنے کے لئے جو بھی چاہے نشان لے آہم تو تیری مان کر دیتے ہی نہیں ○

اعمال کا خمیازہ: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۱) اب آل فرعون پر بھی سختی کے مواقع آئے تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کے دین کی طرف جھکیں کھیتیاں کم آئیں قحط سالیوں پر گئیں درختوں میں پھل کم لگے یہاں تک کہ ایک درخت میں ایک ہی کھجور لگی یہ صرف بطور آزمائش تھا کہ وہ اب بھی ٹھیک ٹھاک ہو جائیں لیکن ان عقل کے اندھوں کو راستی سے دشمنی ہوگئی شادابی اور فراخی دیکھ کر تو اکڑ کر کہتے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور خشک سالی اور تنگی دیکھ کر آواز لگاتے کہ یہ موسیٰ اور مومنوں کی وجہ سے ہے جبکہ مصیبتیں اور راحتیں اللہ کی جانب سے ہیں لیکن بے عملی کی باتیں بناتے رہے ان کی بدشگونی ان کے بد اعمال تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر مصیبتیں لاتے تھے۔

سیاہ دل لوگ اقرار کے بعد انکار کرتے رہے: ☆ ☆ (۱۳۲-۱۳۵) ان کی سرکشی اور ضد دیکھتے کہ حضرت موسیٰ سے صاف کہتے ہیں کہ

آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں پیش کریں، کیسے ہی معجزے بتائیں، ہم ایمان لانے والے نہیں، ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے جادو کے کرشمے ہیں۔ ان پر طوفان آیا، بکثرت بارشیں برسیں جس سے پھل اور اناج تباہ ہو گئے اور اسی سے دبا اور طاعون کی بیماری پھیل پڑی۔ اسی لئے بعض مفسرین نے کہا ہے طوفان سے مراد موت ہے۔ بعض کہتے ہیں کوئی زبردست آسمانی آفت آئی تھی جس نے انہیں گھیر لیا تھا، مٹیوں کی مصیبت ان پر آئی یہ ایک حلال جانور ہے۔ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، سات غزوے میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کئے ہیں ہر ایک میں ہم تو مٹیاں کھاتے رہے۔

سنا احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہمارے لئے حلال کئے گئے ہیں، مچھلی اور مٹی اور کبھی اور تلی۔ ابوداؤد میں ہے حضور سے مٹی کی نسبت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا اللہ کے لشکر بہت سے ہیں جنہیں نہ میں کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔ حضور نے طبیعت نہ چاہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جیسے گوہ کو آپ نے نہیں کھایا، حالانکہ دوسروں کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ اس میں تصنیف فرمایا ہے اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور مٹی نہیں کھاتے تھے اور نہ گردے کھاتے تھے اور نہ گوہ، لیکن انہیں آپ نے حرام نہیں کیا۔ مٹی اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس وجہ سے کہ یہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ اس وجہ سے کہ آپ کو خوف تھا کہ کہیں یہ مسخ شدہ امت نہ ہو پھر یہ روایت بھی غریب ہے، صرف یہی ایک سند ہے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مٹی کو بڑی رغبت سے کھایا کرتے، تلاش کر کے منگوا کر کھاتے، چنانچہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ مٹی کھائی جائے؟ آپ نے فرمایا کاش کہ ایک دو لیٹر مل جاتیں تو کیسے مزے سے کھاتے۔

فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَائِثِ مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكَبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا لِمُوسَى اذْعُ لَنَا رَبِّكَ بِمَا
عِهْدَ عِنْدَكَ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٦﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ
إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَلِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٥٧﴾

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور مٹیاں اور چوڑی جوئیں اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانات لیکن یہ اڑتے ہی رہے یہ تھے ہی بڑے ہی نافرمان لوگ ○ کوئی سزا جب ان پر آ جاتی تو کہنے لگتے، اے موسیٰ اپنے رب سے ہمارے لئے بمطابق اس اقرار کے جو تجھ سے ہے دعا کر، اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو ہم تیرے ساتھ بھیج دیں گے ○ پھر جب ہم ان سے اپنے عذاب ہٹا لینے اس مدت تک جسے وہ بچنے والے ہی ہیں اسی وقت فوراً ہی وہ عہد شکنی کر ڈالتے ○

ابن ماجہ میں ہے کہ امہات المومنین تو طباقوں میں لگا کر مٹیاں ہدیے اور تحفے کے طور پر بھیجتی تھیں۔ امام بغوی ایک روایت لائے ہیں کہ حضور نے فرمایا حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایسا گوشت مجھے کھلا جس میں خون نہ ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹی کھائی۔ آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ اے اللہ سے بغیر دودھ پینے کے زندگی دے اور اس کی اولاد کو بغیر آواز نکالے اس کے

پیچھے لگا دے۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ ٹڈیوں کو مارو نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں یہ ٹڈیاں ان کے دروازوں کی کیلیں کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتی تھیں۔ اوزاعی کہتے ہیں میں ایک دن جنگل میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ٹڈیاں بہت سی آسمان کی طرف ہیں اور ان میں سے ایک ٹڈی پر ایک شخص سوار ہے جو ہتھیار بند ہے جو جس طرف اشارہ کرتا ہے ساری ٹڈیاں اس طرف کو جھک جاتی ہیں اور وہ زبان سے برابر کہہ رہا ہے کہ دنیا باطل ہے اور اس میں جو ہے وہ بھی باطل ہے۔

شرح قاضی فرماتے ہیں اس جانور میں سات مختلف جانوروں کی شان ہے اس کا سر گوگھوڑے جیسا ہے گردن بیل جیسی ہے سینہ شیر جیسا ہے پر گدھ جیسا ہے پیر اونٹ جیسا ہے دم سانپ کی طرح ہے پیٹ بچھو جیسا ہے۔ آیت اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کی تفسیر میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرے میں جا رہے تھے تو سامنے سے ہمیں ٹڈی دل ملا ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں سے مارنا شروع کیا حضورؐ سے سوال کرنے پر آپؐ نے فرمایا دریا کی شکار میں محرم کو کوئی حرج نہیں حضور ﷺ جب ان ٹڈیوں کے لئے بددعا کرتے تو فرماتے اے اللہ جتنی ان میں سے بڑی ہیں تو انہیں سب کو ہلاک کر ڈال اور جتنی چھوٹی ہیں سب کو قتل کر ڈال ان کے انڈے خراب کر دے ان کی نسل کاٹ دے ان کے منہ ہماری روزی سے روک لے ہمیں روزیاں عطا فرما بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اس پر حضرت جابرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کے ایک لشکر کے غارت و برباد ہونے کی آپ دعا کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمندر کے اندر کی مچھلیوں کا ناک جھاڑن ہے چنانچہ بعض لوگوں نے اسے مچھلی میں سے اسی طرح نکلتے دیکھا ہے جب مچھلی سمندر کے کنارے انڈے دے جاتی ہے وہاں سے جب پانی ہٹ جاتا ہے اور دھوپ پڑنے لگتی ہے تو وہ سب انڈے پھوٹ جاتے ہیں اور ان میں سے ٹڈیاں نکلتی ہیں جو پرواز کر جاتی ہیں آیت قرآن اِلَّا اُمَّمٌ اٰمَنَّا لَكُمْ کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہم نے بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سوتری میں ہیں اور چار سو خشکی میں سب سے پہلے ہلاکت ٹڈیوں کی ہوگی۔ امام ابو بکر بن ابوداؤد ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لکڑی تلوار کے مقابلے پر کچھ نہیں اور درخت کی چھال ٹڈی کے مقابلے میں کچھ نہیں یہ حدیث غریب ہے۔ قتل کے بارے میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ وہ سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانور ہیں جو گیہوں میں سے نکلتے ہیں ایک قول ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے پر کی ٹڈیاں ہیں۔

سعید کہتے ہیں سیاہ رنگ کے چھوٹے سے کیڑے ہیں اس کا واحد قملہ ہے یہ جانور جب اونٹ کو چٹ جاتے ہیں تو اسے ہلاک کر دیتے ہیں الغرض ایسے ہی موذی جانور بصورت عذاب فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے۔ فرعون کی سرکشی اور انکار پر طوفان آیا جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے، گڑگڑا کر حضرت موسیٰ سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے یہ موسیٰ دھار پانی رک جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ کر دیں گے آپ نے دعا کی طوفان ہٹ گیا تو یہ اپنے وعدے سے پھر گئے پھر اللہ کی شان ہے کہ کھیتیاں اور باغات اس قدر پھلے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے نہیں پھلے تھے جب تیار ہو گئے تو ٹڈیوں کا عذاب آیا اسے دیکھ کر پھر گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہٹا لے اب ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں چنانچہ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ہٹ گیا، لیکن انہوں نے پھر وعدہ شکنی کی، فصلیں کاٹ لائے، کلیان اٹھا لئے، لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر اور شکل میں آیا تمام انا جو غیرہ میں کیڑا لگ گیا، اس قدر بکثرت یہ جانور پھیل گئے کہ دس پیانے لے کر کوئی شخص پسوانے نکلتا تو پسوانے تک وہ جانور سات پیانے کھا لیتے، گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے پھر وعدے کئے آپ نے پھر دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس آفت کو بھی ہٹا لیا، لیکن انہوں نے پھر

بے ایمانی کی نہ بنی اسرائیل کو رہا کیا نہ ایمان قبول کیا اس پر مینڈکوں کا عذاب آیا، دربار میں فرعون بیٹھا ہوا ہے تو وہیں مینڈک ظاہر ہو کر ٹرانے لگا، سمجھ گئے کہ یہ نئی شکل کا عذاب الہی ہے اب یہ پھیلنے اور بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آدمی بیٹھتا تو اس کی گردن تک آس پاس سے اسے مینڈک گھیر لیتے، جہاں بات کرنے کے لئے کوئی منہ کھولتا کہ مینڈک تڑپ کر اس کے منہ میں گھس جاتا، پھر تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے ہٹنے کی درخواست کی اور اقرار کیا کہ ہم خود ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گچنانچہ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو بھی دفع کر دیا، لیکن پھر مکر گئے، چنانچہ ان پر خون کا عذاب آیا تمام برتنوں میں خون کھانے پینے کی چیزوں میں خون، کنویں میں سے پانی نکالیں تو خون، تالاب سے پانی لائیں تو خون، پھر تڑپ اٹھے فرعون نے کہا، یہ بھی جادو ہے لیکن جب تنگ آ گئے تو آخر حضرت موسیٰ سے مع وعدہ درخواست کی کہ ہم تو پانی سے ترس گئے۔ چنانچہ آپ نے قول قرار لے کر پھر دعا کی اور اللہ نے اس عذاب کو بھی ہٹا لیا لیکن یہ پھر مکر ہو گئے۔ فرعون جب میدان سے ناکام واپس لوٹا تو اس نے ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو، میں ایمان نہ لاؤں گا۔

چنانچہ طوفان کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے، پھر ننڈیوں کا عذاب آیا تو درخت تو کیا گھر کی چوکھٹیں اور دروازوں تک وہ کھا گئیں، مکانات گرنے لگے، پھر حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے ایک پتھر پر لکڑی ماری، جس میں سے بے شمار چھڑیاں نکل پڑیں اور پھیل گئیں کھانا، پینا، سونا، بیٹھنا، سب بند ہو گیا، پھر مینڈکوں کا عذاب آیا، جہاں دیکھو مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے، پھر خون کا عذاب آیا نہریں، تالاب، کنویں، مکے، گھڑے وغیرہ غرض بجائے پانی کے خون ہی خون سب چیزیں ہو گئیں۔ عبید اللہ بن عمرو فرماتے ہیں، مینڈک کو نہ مارو، یہ جب بصورت عذاب فرعونوں کے پاس آئے تو ایک نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے تنور میں چھلانگ ماری، اللہ نے اس کے بدلے انہیں پانی کی ٹھنڈک عطا فرمائی اور ان کی آواز کو اپنی تسبیح بنایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ خون سے مراد کسیر پھوٹنا ہے، الغرض ہر عذاب کو دیکھ کر اقرار کرتے، لیکن جب حضرت موسیٰ کی دعا سے وہ ہٹ جاتا تو پھر انکار کر جاتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ
مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَرْنَا مَا
كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿۱۳۷﴾

پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری نشانوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے ○ اور قوم کو وارث کیا جو محض ناتواں مٹی جاتی تھی اس زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور بنی اسرائیل سے تیرے رب کا بہترین وعدہ پورا ہوا، صرف ان کے صبر کی وجہ سے اور ہم نے درہم برہم کر دیا ہر اس چیز کو جسے قوم فرعون کر رہی تھی اور جو کچھ وہ بلند و بالا عمارتیں بنا رہے تھے سب کو ○

انجام سرکشی: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۶-۱۳۷) جب یہ لوگ اپنی سرکشی اور خود پسندی میں اتنے بڑھ گئے کہ باری تعالیٰ کی بار بار کی نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان لانے سے برابر انکار کرتے رہے، تو قدرت نے اپنے زبردست انتقام میں انہیں چھانس لیا اور سب کو دریا برد کر دیا۔

بنو اسرائیل بحکم اللہ تعالیٰ ہجرت کر کے چلے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا ان کے لئے خشک ہو گیا، پھر فرعون اور اس کے ساتھی اس میں اترے تو دریا میں پھر روانی آگئی اور پانی کا ریلا آیا اور وہ سب ڈوب گئے، یہ تھا انجام اللہ کی باتوں کو جھوٹ سمجھنے اور ان سے غافل رہنے کا۔ پھر پروردگار نے بنو اسرائیل جیسے کمزور و ناتواں لوگوں کو اس زمین کا وارث بنا دیا، مشرق و مغرب ان کے قبضے میں آ گیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے ان بے بسوں پر احسان کرنا چاہا اور انہیں امام اور وارث بنانا چاہا، انہیں حکومت سونپ دی اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکریوں کو وہ نتیجہ دکھایا جس سے وہ بھاگ رہے تھے۔ فرعونوں سے ہرے بھرے باغات، چشمتے، کھیتیاں، عمدہ مقامات، فراواں نعمتیں چھڑوا کر ہم نے دوسری قوم کے سپرد کر دیں یہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، سرزمین شام برکت والی ہے، بنی اسرائیل کا صبر نیک نتیجہ لایا، فرعون اور اس کی قوم کی بنی بنائی چیزیں غارت ہوئیں۔

وَجَوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَتَّبِعُونَ
عَلَىٰ أَصْنَامِهِمْ قَالُوا لِمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا آلِهَةً كَمَا
لَهُمُ الْآلِهَةُ قَالِ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَّبِعُونَ
مِمَّا بَدَّلُوا قُلُوبَهُمْ فَلَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۳۹﴾

بنی اسرائیل کو جب ہم نے دریا پار کر دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کی مجاورت کے بیٹھی تھی، کہنے لگے اے موسیٰ، ہمارے لئے بھی کوئی پونے کی چیز بنادے جیسے کہ ان کے معبود ہیں آپ نے فرمایا تم بڑے جاہل لوگ ہو ○ یہ جس مذہب پر ہیں وہ بھی باطل اور جس عمل پر ہیں وہ بھی باطل ○

شوق بت پرستی ☆ ☆ (آیت: ۱۳۸-۱۳۹) اتنی ساری اللہ کی قدرت کی نشانیاں بنی اسرائیل دیکھ چکے لیکن دریا پار اترتے ہی بت پرستوں کے ایک گروہ کو اپنے بتوں کے آس پاس اعتکاف میں بیٹھ دیکھتے ہی موسیٰ سے کہنے لگے کہ ”ہمارے لئے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجئے تا کہ ہم بھی اس کی عبادت کریں جیسے کہ ان کے معبودان کے سامنے ہیں، یہ کافر لوگ کنعانی تھے، ایک قول ہے کہ لحم قبیلہ کے تھے، یہ گائے کی شکل بنائے ہوئے اس کی پوجا کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا، تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے محض نادانف ہو، تم نہیں جانتے کہ اللہ شریک و مثل سے پاک اور بلند تر ہے، یہ لوگ جس کام میں مبتلا ہیں وہ تباہ کن ہے اور ان کا عمل باطل ہے۔ ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف سے حنین کو روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں میری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے، اس کا نام ذات النواط تھا تو صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ایک ذات النواط ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں، آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے قوم موسیٰ جیسی بات کہہ دی کہ ہمارے لئے بھی معبود مقرر کر دیجئے جیسا ان کا معبود ہے، جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہؑ نے فرمایا، تم جاہل لوگ ہو، یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ ہلاکت خیز ہے اور جس کام میں ہیں وہ باطل ہے، ابن جریر۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیشی تھے، جواب سے پہلے یہ سوال سن کر آنحضرت ﷺ کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے اگلوں کی سی چال چلنے لگے۔

قَالَ اَغْيِرَ اللَّهُ اَبْنِيَكُمْ اَلِهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعَلَمِينَ ۝۱۴۱
 وَاِذْ اَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ اِل فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ
 الْعَذَابِ يُقْتَلُونَ اَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذٰلِكُمْ
 بَلَاغٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝۱۴۲ وَوَعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً
 وَاَتَمَمْنٰهَا بِعَشْرِ فِتْمٍ مِّقَاتٍ رَبِّهٖ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۝۱۴۳ وَقَالَ
 مُوسٰى لِاَخِيهِ هٰرُونَ اَخْلَفْنِيْ فِي قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
 سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴۴

کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا اور معبود تلاش کر دوں؟ اس نے تمہیں تمام جہان پر بزرگی دے رکھی ہے ○ یاد کرو جبکہ ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین سزائیں دے رہے تھے تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے دراصل اس میں تمہارے رب کی جانب سے تمہاری زبردست آزمائش تھی ○ ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس وعدہ کو دس روز سے پورا فرمایا اور یوں اس کے رب کا چالیس راتوں کا وعدہ پورا ہو گیا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم میں میرا جانشین رہ، میل جول قائم رکھ اور مفسدوں کی راہ نہ چل ○

ماضی کی یاد دہانی: ☆ ☆ (آیت: ۱۴۰-۱۴۱) انہیں اس گمراہ خیالی سے روکنے کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلارہے ہیں کہ فرعونیوں کی غلامی سے اللہ نے تمہیں آزادی دلوائی، ذلت و رسوائی سے چھٹکارا دیا، پھر اوج و عزت عطا فرمائی، تمہارے دیکھتے ہوئے تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا، ایسے رب کے سوا اور کوئی لائق عبادت کیسے ہو سکتا ہے؟ فرعون کے وقت کی اپنی ابتری کو بھول گئے جس سے اللہ نے نجات دی۔ اس کی پوری تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

احسانات پہ احسانات: ☆ ☆ (آیت: ۱۴۲) اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنا وہ احسان یاد دلاتا ہے جس کی وجہ سے موسیٰ کو شرف ہم کلامی حاصل ہوا اور تورات ملی جو ان سب کے لئے باعث ہدایت و نور تھی؛ جس میں ان کی شریعت کی تفصیل تھی اور اللہ کے تمام احکام موجود تھے۔ تیس راتوں کا وعدہ ہوا، آپ نے یہ دن روزوں سے گزارنے وقت پورا کر کے ایک درخت کی چھال کو چبا کر مسواک کی حکم ہوا کہ دس اور پورے کر کے پورے چالیس کرو۔ کہتے ہیں کہ ایک مہینہ تو ذوالقعدہ کا تھا اور دس دن ذوالحجہ کے، تو عید والے دن وہ وعدہ پورا ہوا اور اسی دن اللہ کے کلام سے آپ کو شرف ملا اسی دن دین محمدی بھی کامل ہوا ہے۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اَلْحَ وَعَدَہ پورا کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کا قصد کیا جیسے اور آیت میں ہے کہ اے گروہ بنی اسرائیل، ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور طور ابین کا وعدہ کیا، آپ نے جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا اور انہیں اصلاح کی اور فساد سے بچنے کی ہدایت کی، یہ صرف بطو و عظ کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام بھی اللہ کے شریف و کریم اور ذی عزت پیغمبر تھے۔ صلوات اللہ و سلام علیہ و علی سائر۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي
 أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ نَرِيكَ وَلَكِنْ نُنْظِرُكَ إِلَى الْجَبَلِ
 فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ
 جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ
 ثَبُتْ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۳﴾

جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے باتیں کیں کہنے لگا کہ میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں ارشاد ہوا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، اچھا اس پہاڑ کی طرف نظر میں اٹھا اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا ہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا پھر جب اس کے رب نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو اسے ریڑھ ریڑھ کر کے زمین دوز کر دیا اور موسیٰ بھی شش کھا کر گر پڑا ہوش آتے ہی کہنے لگا کہ تیری ذات پاک ہے تیری جناب میں تو بے کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لانے

والوں میں اول ہوں ○

طلب زیارت اور موت: ☆☆ (آیت: ۱۴۳) وعدے کے مطابق حضرت موسیٰؑ طور پہاڑ پر پہنچے اللہ کا کلام سنا تو دیدار کی آرزو کی جواب ملا کہ یہ تیرے لئے ناممکن ہے۔ اس سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کا دیدار نہ ہوگا کیونکہ لن ابدی نفی کے لئے آتا ہے لیکن یہ قول بالکل ہی بوجہ ہے کیونکہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہوگا۔ وہ احادیث آیت وُجُوهُ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور آیت كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُجُوْبُوْنَ کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ۔ ایک قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ یہ نفی ابدی ہے لیکن دنیاوی زندگی کے لئے ہے نہ کہ آخرت کے لئے بھی؛ کیونکہ آخرت میں دیدار باری تعالیٰ مومنوں کو قطعاً ہوگا جیسے کہ آیات و احادیث سے ثابت ہے اس طرح کوئی معارضہ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ آیت مثل لا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے ہے جس کی تفسیر سورۃ انعام میں گزر چکی ہے۔ سابقہ کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی اس درخواست پر ان سے کہا گیا تھا کہ اے موسیٰؑ مجھے جو زندہ شخص دیکھ لے وہ مر جائے میرے دیدار کی تاب کوئی زندہ لائیں سکتا خشک چیزیں بھی میری تجلی سے قمر اٹھتی ہیں چنانچہ پہاڑ کا حال خود کلیم اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور خود بھی بے ہوش ہو گئے امام ابو جعفر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو وہ چمکانا چور ہو گیا راوی حدیث ابو اسامیل نے اپنے شاگردوں کو اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا، لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام واضح نہیں کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کو اپنی چھٹھلی کی اوپر کی پور پر رکھ کر بتایا کہ اتنے سے جمال سے پہاڑ زمین کے ساتھ ہموار ہو گیا۔ مسند کی روایت میں ہے کہ حمید نے اپنے استاد سے کہا اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو استاد نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ حضرت انس بن مالکؓ سے میں نے یہ سنا اور انہوں نے آنحضرتؐ رسول مقبول ﷺ سے۔

ترندی میں بھی یہ روایت ہے اور امام صاحبؒ نے اسے حسن صحیح غریب فرمایا ہے۔ مستدرک میں اسے وارد کر کے کہا ہے کہ یہ شرط مسلم پر ہے اور صحیح ہے۔ سخال کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس میں کوئی علت نہیں۔ ابن مردودہ میں بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن اسکی بھی سند صحیح نہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں صرف بقدر چھٹلی انگلی کے تجلی ہوئی تھی جس سے وہ مٹی کی طرح چور چور ہو گیا اور کلیم اللہ بھی بے ہوش ہو گئے

جب الہ الملک و دیان تبارک و تعالیٰ لوگوں کے درمیان حق فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے گا تو اس کی تجلی سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، جیسے حضرت موسیٰ اللہ کے جمال کی برداشت کوہ طور پر نہ لاسکے۔ اسی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے انہیں افاتہ ہوایا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش نہ ہوئے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفا کے شروع میں لکھتے ہیں کہ دیدار الہی کی اس تجلی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چیونٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے جو دس فرخ دوررات کے اندھیرے میں کسی پتھر پر چل رہی ہو اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، معراج کے واقعہ کے بعد مخصوص ہوئے ہوں اور آپ نے رب کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا قاضی صاحب کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے حالانکہ اس کی سند غور طلب ہے اس میں مجہول راوی ہیں اور ایسی باتیں جب تک ثقہ راویوں کے سلسلے سے نہ ثابت ہوں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ واللہ اعلم۔

قَالَ يَمُوسَىٰ اِنِّي اصْطَفَيْتَكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي
وَبِكَلَامِي فَاخْذْ مَا اتَيْتَكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَتَبْنَا
لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
فَاخْذَهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاوِرِيْكُمْ
دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اور لوگوں سے ممتاز کیا اپنی رسالت کے ساتھ بھی اور اپنے کلام سے بھی پس جو جہی میں نے تجھے عطا فرمایا ہے لے لے اور شکر گزاروں میں شامل رہ ۝ اور ہم نے موسیٰ کے لئے توراہ کی تختیوں میں ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی اب تو اسے مضبوطی سے پکڑے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کی عمدہ باتیں مضبوطی سے لئے رہیں میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کے گھر بھی دکھا دوں گا ۝

انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۴-۱۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوہری نعمت آپ کو عطا ہوئی یعنی رسالت اور ہم کلامی۔ مگر چونکہ ہمارے حضرت محمد ﷺ تمام اول و آخر تمام نبیوں کے سردار ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کرنے والا آپ کو بنایا کہ قیامت تک آپ ہی کی شریعت جاری رہے گی اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ کے تابعدار تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ فضیلت کے اعتبار سے آپ کے بعد سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو خلیل اللہ ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو کلیم اللہ تھے۔ اے موسیٰ جو مناجات اور کلام تجھے میں نے دیا ہے وہ لے لے اور مضبوطی سے اس پر استقامت رکھ اور اس پر جتنا تجھ سے ہو سکے، شکر بجالایا کر۔ کہا گیا ہے کہ تورات کی تختیاں جو اہر کی تھیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام احکام حلال حرام کے تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے تھے ان ہی تختیوں میں تورات تھی جس کے متعلق فرمان ہے کہ اگلے لوگوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے کتاب عطا فرمائی۔ یہ بھی مروی ہے کہ تورات سے پہلے یہ تختیاں ملی تھیں واللہ اعلم۔ الغرض دیدار الہی جس کی تمنا آپ نے کی تھی اس کے عوض یہ چیز آپ کو ملی۔ کہا گیا اسے ماننے کے ارادے سے لے لو اور اپنی قوم کو ان اچھائیوں پر عمل کرنے کی ہدایت کرو اور آپ کو زیادہ تاکید ہوئی اور قوم کو ان سے کم، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری حکم عدولی کرنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے؟ جیسے کوئی کسی کو دھمکاتے ہوئے

کہے کہ تم میری مخالفت کا انجام بھی دیکھ لو گے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں شام کے بدکاروں کے گھروں کا مالک بنا دوں گا یا مراد اس سے فرعونوں کا ترکہ ہو، لیکن پہلی بات ہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ فرمان تیبہ کے میدان سے پہلے اور فرعون سے نجات پا لینے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم۔

سَاَصْرَفُ عَنْ اٰتِي الْذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَ اِنْ يَّرَوْا كَلَّ اِيَةً لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرَّشْدِ
لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْعِىِّ يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰتِيْنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝۴۱
وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰتِيْنَا وَ لِقَاءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۴۲

میں اپنی آیتوں کی سوچ سمجھ سے ان لوگوں کو برگشتہ کئے رہوں گا جو ناحق زمین میں اڑتے پھرتے ہیں وہ اگرچہ تمام نشانات دیکھ لیں انہیں ماننے کے نہیں راہ راست دیکھ کر اسے راہ نہیں بنانے کے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اسے فوراً اپنا مسلک بنا لیتے ہیں یہ وبال ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پرواہ رہے ○ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے کو نہ مائیں ان کے اعمال غارت ہیں انہیں بدلہ صرف ان اعمال کا ہی ملے گا جو وہ کرتے رہے ○

تکبر کا پھل محرومی ☆ ☆ (آیت: ۱۳۶-۱۳۷) تکبر کا نتیجہ ہمیشہ جہالت ہوتا ہے ایسے لوگوں کو حق کو سمجھنے سے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ان کے دل الٹ جاتے ہیں آنکھ کان بے کار ہو جاتے ہیں ان کی کجی ان کے دلوں کو بھی کج کر دیتی ہے۔ علماء کا مقولہ ہے کہ متکبر اور پوچھنے سے جی چرانے والا کبھی عالم نہیں ہو سکتا۔ جو شخص تھوڑی دیر کے لئے علم کے حاصل کرنے میں اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے نہ جھکا لے وہ عمر بھر ذلت و رسوائی میں رہتا ہے، متکبر لوگوں کو قرآن کی سمجھ کہاں؟ وہ تورب کی آیتوں سے بھاگتے رہتے ہیں اس امت کے لوگ ہوں یا دوسری امتوں کے سب کے ساتھ اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ تکبر کی وجہ سے حق کی پیروی نصیب نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اگرچہ یہ بڑے بڑے معجزے بھی دیکھ لیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا، گونجات کے راستے ان پر کھل جائیں لیکن اس راہ پر چلنا ان کے لئے دشوار ہے ہاں بری راہ سامنے آتے ہی یہ بے طرح اس پر لپکے اس لئے کہ ان کے دلوں میں جھٹلانا ہے اور اپنے اعمال کے نتیجوں سے بے خبر ہیں۔ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں آخرت کا یقین نہ رکھیں اسی عقیدے پر مریں ان کے اعمال اکارت ہیں، ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے بدلہ صرف کئے ہوئے اعمال کا ہی ملتا ہے، بھلے کا بھلا اور برے کا برا جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيْمَةٍ عَجَلًا جَسَدًا
لَّهُ خُوَارٌ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا

اَتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۱۵۸﴾ وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ
 وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۗ قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا
 وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۵۹﴾

موسیٰ کے جانے کے بعد قوم نے قبطیوں کے زبوروں سے بچھڑے کا بے روح ڈھانچہ بنا لیا کہ اس کی گائے جیسی آواز تھی، کیا انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ انہیں راہ دکھا سکتا ہے اسے لے بیٹھے تھے اور تھے ہی وہ پورے ظالم ○ اور جب اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور دیکھ لیا کہ وہ بہک گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اب اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو بیشک ہم نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے ○

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوچھنا: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۸-۱۳۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے وعدے کے مطابق تورات لینے گئے اور ہر فرعونیوں کے جوزیور بنی اسرائیل کے پاس رہ گئے تھے سامری نے انہیں جمع کیا اور اپنے پاس سے اس میں خاک کی مٹھی ڈال دی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپ تلے سے اس نے اٹھالی تھی اللہ کی قدرت سے وہ سونا گل کر مثل ایک گائے کے جسم کے ہو گیا اور چونکہ کھوکھلا تھا اس میں سے آواز بھی آنے لگی اور وہ بالکل ہو بہو گائے کی سی آواز تھی۔ سامری نے بنی اسرائیل کو بہکا کر اس کی عبادت کرانی شروع کر دی بہت سے لوگ اسے پوجنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے طور پر حضرت موسیٰ کو اس فتنے کی خبر دی۔ یہ بچھڑا یا تو بچ بچ خون گوشت کا بن گیا تھا یا سونے کا ہی تھا مگر شکل گائے کی تھی یہ اللہ ہی جانے بنی اسرائیل تو آواز سنتے ہی ناچنے لگے اور اس پر رتھ گئے سامری نے کہہ دیا کہ اللہ تو یہی ہے موسیٰ بھول گئے ہیں انہیں اتنی بھی تمیز نہ آئی کہ وہ اللہ تو کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور کسی نفع نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتا اس بچھڑے کو اس اللہ کو چھوڑ کر پوجو جو سب کا مالک اور سب کا خالق ہے۔ اس کی وجہ سوائے اندھے پن اور بے عقلی کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے پھر جب اس محبت میں کمی آئی، آنکھیں کھلیں تو اپنے اس فعل پر نادام ہونے لگے اور یقین کر لیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو گئے تو اللہ سے بخشش مانگنے لگے۔ ایک قرأت میں تغفر "ت" سے بھی ہے۔ جان گئے کہ اگر معافی نہ ملی تو بڑے نقصان سے دوچار ہو جائیں گے غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ سے بچکے اور اتجا کرنے لگے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ بِئْسَمَا
 خَلَقْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَالْقَىٰ الْأَلْوَابِ وَأَخَذَ
 بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ
 اسْتَضَعَفُونِي ۖ وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ
 وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۶۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي
 وَلَاخِي ۖ وَادْخُلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱۶۱﴾

جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصے اور رنج میں بھرا ہوا لوٹا کہنے لگا کہ تم نے میرے بعد میری بڑی ہی بری نیابت کی کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے امر میں جلد بازی

کی اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھیننے لگا اس نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی یہ لوگ مجھے تو کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے پس آپ میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائیں اور میرا شمار بھی ان ظالم لوگوں میں نہ کیجئے ○ موسیٰ کہنے لگا کہ اے میرے رب تو مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے تو تو تمام رحمت کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۰-۱۵۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ طور پر ہی اپنی قوم کا یہ کفر معلوم ہو چکا تھا اس لئے سخت غضبناک ہو کر واپس آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے تو میرے بعد سخت نالائقی کی تم نے میرا انتظار بھی نہ کیا، میری ذرا سی تاخیر میں یہ ظلم ڈھایا، غصے کے مارے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ زمر دیا یا قوت یا کسی اور چیز کی تھیں۔ سچ ہے جو حدیث میں ہے کہ دیکھنا سننا برابر نہیں اپنی قوم پر غصے ہو کر الواح ہاتھ سے گرا دیں، ٹھیک بات یہی ہے۔ جمہور سلف و خلف کا قول بھی یہی ہے، لیکن ابن جریر نے قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے جس کی سند بھی صحیح نہیں۔ ابن عطیہ وغیرہ نے اس کی بہت تردید کی ہے اور واقعی وہ تردید کے قابل بھی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قتادہ نے یہ اہل کتاب سے لیا ہو اور ان کا کیا اعتبار ہے؟ ان میں جھوٹے بناوٹ کرنے والے گھڑ لینے والے بددین بے دین ہر طرح کے لوگ ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں باز رکھنے کی پوری کوشش نہ کی ہو آپ نے ان کے سر کے بالوں کے بل انہیں گھسیٹ لیا اور فرمانے لگے، انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی تو نے میری ماتحتی میں انہیں کیوں نہ روکا؟ کیا تو بھی میرے فرمان کا منکر بن گیا؟ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھائی جان میرے سر کے اور داڑھی کے بال نہ پکڑیں میں نے تو ہر ممکن طریقے سے انہیں روکا، زیادہ اس لئے نہ الجھا کہ کہیں آپ یہ نہ فرمادیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی؟ تو نے میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ درنہ میں تو ان گمراہوں سے اب تک زمین کو پاک کر چکا ہوتا، انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے، آپ مجھے ان ہی کی طرح نہ سمجھیں، نہ ان میں ملائیں۔

حضرت ہارون کا یہ فرمانا کہ اے میرے ماں جائے بھائی، یہ صرف اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰ کو رحم آ جائے ماں باپ دونوں کے ایک ہی تھے جب آپ کو اپنے بھائی ہارون کی برأت کی تحقیق ہو گئی، اللہ کی طرف سے بھی ان کی پاک دامنی اور بے قصوری معلوم ہو گئی کہ انہوں نے اپنی قوم سے پہلے ہی یہ فرمادیا تھا کہ افسوس تم فتنے میں پڑ گئے، اب بھی کچھ نہیں بگڑا، پروردگار بڑا ہی رحیم و کریم ہے تم میری ماں لو اور پھر سے میرے تابع دار بن جاؤ تو آپ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے واقعی دیکھنے والے میں اور خبر سننے والے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ قوم کی گمراہی کی خبر سنی تو تختیاں ہاتھ سے نہ گرائیں لیکن اس منظر کو دیکھ کر قابو میں نہ رہے تختیاں پھینک دیں۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذَلَّةٌ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۗ وَالَّذِينَ عَمِلُوا
السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَأَمَنُوا ۗ إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۗ

یقیناً جن لوگوں نے عجل سے کو معبود بنا لیا، ان پر ان کے رب کا غضب نازل ہو گا، یہی اور دنیا کی زندگی کی رسوائی بھی، ہم اسی طرح جھوٹا انتر باندھنے

والوں کو سزا دیتے ہیں ○ ہاں جو لوگ برائیاں کرنے کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لائیں تو بیشک تیرا رب اس کے بعد بھی بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

باہم قتل کی سزا: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۲-۱۵۳) ان گنوسالہ پرستوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا جب تک ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کر لیا، ان کی توبہ قبول نہ ہوئی جیسے کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل وار بیان ہو چکا ہے کہ انہیں حکم ہوا تھا کہ اپنے خالق سے توبہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر ڈیہی تمہارے حق میں ٹھیک ہے پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم والا ہے اسی طرح دنیا میں بھی ان یہودیوں پر ذلت نازل ہوئی۔ ہر بدعتی کی جو اللہ کے دین میں جھوٹا طوفان اٹھائے یہی سزا ہے رسول کی مخالفت اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر ان کے کندھوں پر آ پڑتا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں، گو وہ دنیوی ٹھاٹھ رکھتا ہو لیکن ذلت اس کے چہرے پر برستی ہے قیامت تک یہی سزا ہر جھوٹے، افتزباباز کی اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے خواہ کیسا ہی گناہ ہو لیکن توبہ کے بعد وہ معاف فرما دیتا ہے گو کفر و شرک اور نفاق و شقاق ہی کیوں نہ ہو۔ فرمان ہے کہ جو لوگ برائیوں کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لائیں تو اے رسول رحمت اور اپنے نبی نور (یعنی قرآن) تیرا رب اس فعل کے بعد بھی غفور و رحیم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کاری کرے پھر اس سے نکاح کر لے تو؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، کوئی دس دس مرتبہ اسے تلاوت کیا اور کوئی حکم یا منع نہیں کیا۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ أَخَذَ الْأَلْوَابِحَ ۗ وَفِي نُحْتِهَا
هُدًى وَرَحْمَةً ۗ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝۵

جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اس نے تختیاں اٹھالیں ان میں جو لکھا ہوا تھا وہ ہدایت و رحمت تھی ان کے لئے جو اپنے پروردگار سے خوف کھاتے رہے ہیں ○

امت محمدیہ کے چند خصائل: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۴) حضرت موسیٰ کو اپنی قوم پر جو غصہ تھا جب وہ جاتا رہا تو سخت غصے کی حالت میں جن تختیوں کو انہوں نے زمین پر ڈال دیا تھا اب اٹھالیں یہ غصہ صرف اللہ کی راہ میں تھا کیونکہ آپ کی قوم نے مجھڑے کی پوجا کی تھی ان تختیوں میں ہدایت و رحمت تھی۔ کہتے ہیں کہ جب کلیم اللہ نے تختیاں زمین پر ڈال دیں تو وہ ٹوٹ گئیں پھر انہیں جمع کیا تو ان میں رہبری اور رحم پایا اور تفصیل اٹھالی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان تختیوں کے ٹکڑے شاہی خزانوں میں بنی اسرائیل کے پاس دولت اسلامیہ کے ابتدائی زمانے تک محفوظ رہے (واللہ اعلم) اس کی صحت کا کوئی پتہ نہیں حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ وہ تختیاں جنتی جو رہی تھیں۔

اور اس آیت میں ہے کہ پھر حضرت موسیٰ نے خود ہی انہیں اٹھالیا اور ان میں رحمت و ہدایت پائی چونکہ رحمت متضمن ہے خشوع و خضوع کو اس لئے اسے لام سے متعدی کیا قنادہ کہتے ہیں ان میں آپ نے لکھا دیکھا کہ ایک امت تمام امتوں سے بہتر ہوگی جو لوگوں کے لئے قائم کی جائے گی جو بھلی باتوں کا حکم کرے گی اور برائیوں سے روکے گی تو حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو یہی امت بنا دے جواب ملا کہ یہ امت امت احمد ہے (ﷺ) پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو دنیا میں سب سے آخر آئے گی اور جنت میں سب سے پہلے جائے گی تو بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا، پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی جس کی وہ تلاوت کریں گے یعنی حفظ کریں گے اور دوسرے لوگ دیکھ کر پڑھتے ہیں۔ اگر ان کی کتابیں اٹھ جائیں تو علم جاتا

رہے کیونکہ انہیں حفظ نہیں اس طرح کا حافظہ اسی امت کے لئے مخصوص ہے کسی اور امت کو نہیں ملا اس پر بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا۔

پھر دیکھا کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ ایک امت ہوگی جو اگلی پچھلی تمام کتابوں پر ایمان لائے گی اور گرگراہوں سے جہاد کرے گی یہاں تک کہ کانے دجال سے جہاد کرے گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر دیکھا کہ ایک امت ہوگی جو اپنے صدقے آپ کھائے گی اور اجر بھی پائے گی حالانکہ اور امتیں جو صدقہ کرتی رہیں اگر قبول ہوا تو آگ آ کر اسے کھا گئی اور اگر ناقبول ہوا تو اسے درندوں پرندوں نے کھالیا۔ اللہ نے تمہارے صدقے تمہارے مالداروں سے تمہارے مفلوسوں کے لئے لئے ہیں۔ اس پر بھی کلیم اللہ علیہ السلام نے یہی دعا کی اور یہی جواب ملا۔ پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جس کا رکن اگر نیکی کا ارادہ کر لے پھر نہ کرے تو بھی نیکی لکھی جائے گی اور اگر کر بھی لی تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سات سو تک اسی طرح بڑھتی چلی جائیں گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر ان تختیوں میں آپ نے پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو خود بھی شفاعت کرے گی اور ان کی شفاعت دوسرے بھی کریں گے۔ آپ نے پھر یہی دعا کی کہ اے اللہ یہ مرتبہ میری امت کو دے۔ جواب ملا یہ امت امت احمد ہے (ﷺ) ہے اس پر آپ نے تختیاں لے لیں اور کہنے لگے اے اللہ مجھے امت احمد میں کر دے۔

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ
أَتَهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السَّفَهَاءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ
بِهَآءِ مِن تَشَآءٍ وَتَهْدِي مِّن تَشَآءٍ أَنْتَ وَلِيْنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۝

موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ہمارے وعدے کی حاضری کے لئے ستر شخص چھانت لئے، پھر جب انہیں زلزلے نے پکڑ لیا تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر تیری یہی جاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا، ہم میں سے بعض احمق لوگوں کے کئے ہوئے کاموں پر کیا تو ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ حادثہ تو صرف تیری طرف کا ایک امتحان ہے اس سے جسے تو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت پر لے آئے تو ہی ہمارا کارساز ہے پس ہمارے قصور معاف فرما اور ہم پر مہربانی فرما تو تمام بخشے والوں سے بہتر بخشے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب فرمان الہی اپنی قوم سے ستر شخصوں کو منتخب کیا اور جناب باری سے دعائیں مانگنا شروع کیں، لیکن یہ لوگ اپنی دعا میں حد سے تجاوز کر گئے کہنے لگے اللہ تو ہمیں وہ دے جو نہ ہم سے پہلے کسی کو دیا ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے، یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور ان پر بھونچال آ گیا، جس سے گھبرا کر حضرت موسیٰ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ سدیٰ کہتے ہیں، انہیں لے کر آپ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی گٹھوسالہ پرستی کی معذرت کرنے کے لئے گئے تھے یہاں جب وہ پہنچے تو کہنے لگے، ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، ایمان نہ لائیں گے، ہم کلام سن رہے ہیں لیکن دیکھنا چاہتے ہیں اس پر کڑا کے کی آواز ہوئی اور یہ سب مر کھ پ گئے، حضرت موسیٰ نے رونا شروع کیا کہ اللہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ان کے یہ بہترین

لوگ تھے اگر تیسری بی بی منشا تھی تو اس سے پہلے ہی ہمیں ہلاک کر دیا ہوتا۔

امام محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ انہیں اس بت پرستی سے توبہ کرنے کے لئے بطور وفد کے آپ لے چلے تھے ان سے فرما دیا تھا کہ پاک صاف ہو جاؤ، پاک کپڑے پہن لو اور روزے سے چلو، یہ اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر طور سینا پہنچنے، مناجات میں مشغول ہوئے تو انہوں نے خواہش کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام سنیں، آپ نے دعا کی، جب حسب عادت بادل آیا اور موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے اور بادل میں چھپ گئے، قوم سے فرمایا تم بھی قریب آ جاؤ، یہ بھی اندر چلے گئے اور حسب معمول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا جو اللہ کے کلام کے وقت برابر چمکتا رہتا تھا، اس وقت کوئی انسان آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا، آپ عجب کر لیا، لوگ سب سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا کلام شروع ہوا جو یہ لوگ بھی سن رہے تھے کہ فرمان ہو رہا ہے کہ یہ کہہ کر یہ نہ کرو، وغیرہ، جب باتیں ہو چکیں اور ابراہیمؑ گیا تو ان لوگوں نے کہا، ہم تو جب تک اللہ کو خود خوب ظاہر نہ دیکھ لیں، ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر کڑا کا نازل ہوا اور سب کے سب ایک ساتھ مر گئے، موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور مناجات شروع کر دیں، اس میں یہاں تک کہا کہ اگر ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کیا ہوتا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اور شہر اور شہیر کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں گئے، ہارون ایک بلند جگہ کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی، جب آپ واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ کے بھائی بڑے ملنسار اور نرم آدمی تھے، آپ نے ہی انہیں الگ لے جا کر قتل کر دیا، اس پر آپ نے فرمایا، اچھا تم اپنے میں سے ستر آدمی چھانٹ کر میرے ساتھ کر دو، انہوں نے کر دیئے جنہیں لے کر آپ گئے اور حضرت ہارونؑ کی لاش سے پوچھا کہ آپ کو کس نے قتل کیا؟ اللہ کی قدرت سے وہ بولے کسی نے نہیں بلکہ میں اپنی موت مرا ہوں، انہوں نے کہا، بس موسیٰ اب سے آپ کی نافرمانی ہرگز نہ کی جائے گی، اسی وقت زلزلہ آیا جس سے وہ سب مر گئے، اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے دائیں بائیں گھومنے لگے اور وہ عرض کرنے لگے جو قرآن میں مذکور ہے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول کر لی، ان سب کو زندہ کر دیا اور بعد میں وہ سب انبیاء بنے، لیکن یہ اثر بہت ہی غریب ہے، اس کا ایک راوی عمارہ بن عبدغیر معروف ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان پر اس زلزلے کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پھٹڑے کی پرستش کے وقت خاموش تھے، ان پجاریوں کو روکتے نہ تھے، اس قول کی دلیل میں حضرت موسیٰ کا یہ فرمان بالکل ٹھیک اترتا ہے کہ اے اللہ، ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کر رہا ہے؟ پھر فرماتے ہیں، یہ تو تیری طرف کی آزمائش ہی ہے، تیرا ہی حکم چلنا ہے اور تیری ہی چاہت کامیاب ہے، ہدایت و ضلالت تیرے ہی ہاتھ ہے جس کو تو ہدایت دے، اسے کوئی بہکانہیں سکتا اور جسے تو بہکائے، اس کی کوئی رہبری نہیں کر سکتا، تو جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے دے دے، اس سے کوئی چھین نہیں سکتا، ملک کا مالک تو اکیلا، حکم کا حاکم صرف تو ہی، غلطی و امر تیرا ہی ہے، تو ہمارا ولی ہے، ہمیں بخش، ہم پر رحم فرما، تو سب سے اچھا معاف فرمانے والا ہے۔

غفر کے معنی ہیں چھپا دینا اور پکڑ نہ کرنا۔ جب رحمت بھی اس کے ساتھ مل جائے تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ آئندہ اس گناہ سے بچاؤ ہو جائے۔ گناہوں کا بخش دینے والا صرف تو ہی ہے، پس جس چیز سے ڈرتھا، اس کا بچاؤ طلب کرنے کے بعد اب مقصود حاصل کرنے کے لئے دعا کی جاتی ہے کہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما، اسے ہمارے نام لکھ دے، واجب و ثابت کر دے۔ حسنہ کی تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں، رغبت ہماری تیری ہی جانب ہے، ہماری توبہ اور عاجزی تیری طرف ہے۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ چونکہ انہوں نے ہدنا کہا تھا، اس لئے انہیں یہودی کہا گیا ہے، لیکن اس روایت کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

وَ اَكْتَبْنَا لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا
 اِلَيْكَ قَالِ عَدَايِي اَصِيبْ بِهٖ مِّنْ اَشَاءِ وَ رَحْمَتِي وَسِعَتْ
 كُلَّ شَيْءٍ فَسَا كَتَبَهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
 وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِآيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

تو ہمارے لئے اس دنیا کی بہتری لکھ دے اور آخرت کی بھی ہم سب تیری طرف رجوع ہو رہے ہیں۔ جناب باری کا ارشاد ہوا کہ میں اپنے عذاب تو صرف انہیں ہی پہنچاتا ہوں جنہیں چاہوں ہاں میری رحمت نے تمام چیزوں کو سالیما ہے جس میں اسے خصوصیت کے ساتھ ان کے نام لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کریں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر یقین اور ایمان رکھیں ○

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انسان: ☆ ☆ (آیت ۱۵۶) چونکہ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ یہ محض تیری طرف سے آزمائش ہے اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ عذاب تو صرف گنہگاروں کو ہی ہوتا ہے اور گنہگاروں میں سے بھی انہی کو جو میری نگاہ میں گنہگار ہیں نہ کہ ہر گنہگار کو، اپنی حکمت عدل اور پورے علم کے ذریعے سے جانتا ہوں کہ مستحق عذاب کون ہے؟ صرف اسی کو عذاب پہنچاتا ہے۔ ہاں البتہ میری رحمت بڑی وسیع چیز ہے جو سب پر شامل سب پر حاوی اور سب پر محیط ہے۔

چنانچہ عرش کے اٹھانے والے اور اس کے ارد گرد رہنے والے فرشتے فرماتے رہا کرتے ہیں کہ اے رب تو نے اپنی رحمت اور اپنے علم سے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اونٹ بٹھا کر اسے باندھ کر نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کو کھول کر اس پر سوار ہو کر اونچی آواز سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور اپنی رحمت میں کسی اور کو ہم دونوں کا شریک نہ کر، آپ یہ سن کر فرمانے لگے بتاؤ یہ خود راہ گم کردہ ہونے میں بڑھا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا بھی اس نے کیا کہا؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں حضور نے اسے فرمایا اے شخص تو نے اللہ کی بہت ہی کشادہ رحمت کو بہت تنگ چیز سمجھ لیا، سن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوحے کئے جن میں سے صرف ایک حصہ مخلوق میں اتارا جو تمام مخلوق میں تقسیم ہوا یعنی انسان، حیوان، جنات سب میں اور ننانوے حصے اپنے لئے باقی رکھے۔ لوگو بتاؤ یہ زیادہ راہ بہکا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ مسند کی اور حدیث میں ہے اللہ عزوجل نے اپنی رحمت کے سوحے کئے جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اتارا، اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے اسی سے حیوان بھی اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں باقی ننانوے حصے تو اس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہوگا۔ اور روایت میں ہے کہ روز قیامت اسی (ایک) حصے کے ساتھ اور (بقایا) ننانوے حصے جو موخر ہیں ملادئے جائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے اسی نازل کردہ ایک حصے میں پرند بھی شریک ہیں۔ طبری میں ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو اپنے دین میں فاجر ہے جو اپنی معاش میں احمق ہے وہ بھی اس میں داخل ہے اس کی قسم جو میری جان اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے وہ بھی جنت میں جائے گا جو مستحق جہنم ہوگا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری روح ہے قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے کرشمے دیکھ کر الٹیں بھی امیدوار ہو کر ہاتھ پھیلا دے گا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کا راوی سعد غیر معروف ہے۔ پس میں اپنی اس رحمت کو ان کے لئے واجب کر دوں گا اور یہ بھی محض اپنے فضل و کرم سے۔ جیسے فرمان ہے تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کر لیا ہے پس جن پر

رحمت واجب ہو جائے گی ان کے اوصاف بیان فرمائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے امت محمد (ﷺ) ہے جو تقویٰ کریں یعنی شرک سے اور کبیرہ گناہوں سے بچیں زکوٰۃ دیں یعنی اپنے ضمیر کو پاک رکھیں اور مال کی زکوٰۃ بھی ادا کریں (کیونکہ یہ آیت مکی ہے) اور ہماری آیات کو مان لیں ان پر ایمان لائیں اور انہیں سچ سمجھیں۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ
وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَاَلَّذِينَ آمَنُوا
بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۗ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۷﴾

جو اس پیغمبر نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کے اوصاف اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں جو انہیں اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے پلٹ جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی عزت اور مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی کامیاب نجات یافتہ ہیں ○

اہل کتاب کی خاتم النبیین کی تصدیق: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۷) سابقہ کتابوں میں آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کے جو اوصاف بیان ہوئے تھے جس سے ان نبیوں کی امت آپ کو پہچان جائے وہ بیان ہو رہے ہیں سب کو حکم تھا کہ ان صفات کا پیغمبر اگر تمہارے زمانے میں ظاہر ہو تو تم سب ان کی تابعداری میں لگ جانا۔ مسند احمد میں ہے ایک صاحب فرماتے ہیں میں کچھ خرید و فروخت کا سامان لے کر مدینے آیا جب اپنی تجارت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر و عمر کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے اس کا نوجوان خوبصورت، تو مند بیٹا نزع کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے کیا میری صفت اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا اسی وقت اس کا وہ بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے ہم آپ کی صفات اور آپ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہہ دل سے گواہی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں آپ نے فرمایا اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے ہٹاؤ پھر آپ ہی اس کے کفن و دفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی مستدرک حاکم میں ہے حضرت ہشام بن عاص اموی فرماتے ہیں کہ میں اور ایک صاحب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت اسلام دینے کے لئے روانہ ہوئے غوطہ دمشق میں پہنچ کر ہم حیلہ بن اسہم غسانی کے ہاں گئے اس نے اپنا قاصد بھیجا کہ ہم اس سے باتیں کر لیں ہم نے کہا واللہ ہم تم سے کوئی بات نہ کریں گے ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں اگر وہ چاہیں تو ہم سے خود سنیں اور خود جواب دیں ورنہ ہم قاصدوں

سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے، قاصدوں نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی، اس نے اجازت دی اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا۔

چنانچہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسلام کی دعوت دی، وہ اس وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا، کہنے لگا کہ دیکھ میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے اور حلف اٹھایا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں گا، اس سیاہ لباس کو نہ اتاروں گا، قاصد اسلام نے یہ سن کر پھر کہا، بادشاہ ہوش سنبھالو اللہ کی قسم یہ آپ کے تخت کی جگہ اور آپ کے بڑے بادشاہ کا پائے تخت بھی ان شاء اللہ عنقریب ہم اپنے قبضے میں کر لیں گے، یہ کوئی ہماری ہوس نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ سے ہمیں یہ پختہ خبر مل چکی ہے، اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہاں ہم سے ہمارا یہ تخت و تاج وہ قوم چھینے گی جو دونوں کو روزے سے رہتے ہوں اور اور اتوں کو تہجد پڑھتے ہوں، اچھا تم بتاؤ تمہارے روزے کے احکام کیا ہیں؟ اب جو ہم نے بتائے تو اس کا منہ کالا ہو گیا، اس نے اسی وقت ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا اور کہا، انہیں شاہ روم کے پاس لے جاؤ۔ جب ہم اس کے پائے تخت کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا تم اس حال میں تو اس شہر میں نہیں جا سکتے، اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے عمدہ سواریاں لا دوں، ان پر سوار ہو کر تم شہر میں چلو، ہم نے کہا ناممکن ہے، ہم تو اسی حالت میں انہی سواریوں پر چلیں گے۔ اس نے بادشاہ سے کہلوا بھیجا، وہاں سے اجازت آئی کہ اچھا انہیں اونٹوں پر ہی لے آؤ۔ ہم اپنے اونٹوں پر سوار گلے میں تلواریں لٹکائے شاہی محل کے پاس پہنچے، وہاں ہم نے اپنی سواریاں بٹھائیں، بادشاہ درستیچ میں سے ہمیں دیکھ رہا تھا، ہمارے منہ سے بے ساختہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اسی وقت شام اور روم کا محل ٹھہرا اٹھا اس طرح جس طرح کسی خوشے کو تیز ہوا کا جھونکا ہلارہا ہو اسی وقت محل سے شاہی قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنے دین کو اس طرح ہمارے سامنے اعلان کر دو، چلو تم کو بادشاہ سلامت یاد کر رہے ہیں چنانچہ ہم اس کے ساتھ دربار میں گئے، دیکھا کہ چاروں طرف سرخ مخمل اور سرخ ریشم ہے، خود بھی سرخ لباس پہنے ہوئے ہے، تمام درباریوں اور ارکان سلطنت سے بھرا ہوا ہے، جب ہم پاس پہنچ گئے تو مسکرا کر کہنے لگا، جو سلام تم میں آپس میں مروج ہے، تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہ کیا؟ ترجمان کی معرفت ہمیں بادشاہ کا یہ سوال پہنچا تو ہم نے جواب دیا کہ جو سلام ہم میں ہے اس کے لائق تم نہیں اور جو آداب کا دستور تم میں ہے وہ ہمیں پسند نہیں، اس نے کہا اچھا تمہارا سلام آپس میں کیا ہے؟ ہم نے کہا السلام، علیکم اس نے کہا، اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا صرف ان ہی الفاظ سے۔ پوچھا اچھا وہ بھی تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں؟ ہم نے کہا یہی الفاظ وہ کہتے ہیں، بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ عزوجل کی قسم ادھر ہم نے یہ کلمہ کہا، ادھر پھر سے محل میں زلزلہ پڑا، یہاں تک کہ سارا دربار چھت کی طرف نظریں کر کے ہم گیا۔ بادشاہ بہت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کیوں جی اپنے گھروں میں بھی جب کبھی تم یہ کلمہ پڑھتے ہو، تمہارے گھر بھی اسی طرح زلزلے میں آجاتے ہیں؟ ہم نے کہا کبھی نہیں، ہم نے تو یہ بات یہیں آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے، بادشاہ کہنے لگا کہ کاش کہ تم جب کبھی اس کلمے کو کہتے تمام چیزیں اسی طرح ہل جاتیں اور میرا آدھا ملک ہی رہ جاتا، ہم نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ یہ آسان تھا، بہ نسبت اس بات کے کہ یہ امر نبوت ہو پھر اس نے ہم سے ہمارا ارادہ دریافت کیا، ہم نے صاف بتایا، اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو اور روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ ہم نے دونوں باتیں بتادیں، اس نے اب ہمیں رخصت کیا اور بڑے اکرام و احترام سے ہمیں شاہی معزز مہمانوں میں رکھا۔ تین دن جب گزرے تو رات کے وقت ہمیں قاصد بلانے آیا، ہم پھر دربار میں گئے تو اس نے ہم سے پھر ہمارا مطلب پوچھا، ہم نے اسے دوہرایا، پھر اس نے ایک حویلی کی شکل کی سونا منڈھی ہوئی ایک چیز منگوائی، جس میں بہت سارے مکانات تھے اور ان کے دروازے تھے اس نے اسے کنجی سے کھول کر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی جامہ نکالا، ہم نے دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں بڑی رانیں ہیں بڑی لمبی اور گھنی داڑھی ہے اور سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت لمبے لمبے ہیں، ہم سے پوچھا

انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بال بہت ہی تھے۔

پھر دوسرا دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ ریشم کا پار چنکالا جس میں ایک سفید صورت تھی جس کے گھونگریا لے بال تھے سرخ رنگ آنکھیں تھیں بڑے گلے کے آدی تھے اور بڑی خوش وضع داڑھی تھی ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک شخص تھا نہایت ہی گوار چٹانگ بہت خوبصورت آنکھیں کشادہ پیشانی لمبے رخسار سفید داڑھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مسکرارہے ہیں ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر ایک دروازہ کھولا اس میں سے ایک خوبصورت سفید شکل دکھائی دی جو ہو بہو رسول اللہ ﷺ کی تھی ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا یہ حضرت محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا اور ہمارے آنسو نکل آئے بادشاہ اب تک کھڑا ہوا تھا اب وہ بیٹھ گیا اور ہم سے دوبارہ پوچھا کہ یہی شکل حضور کی ہے ہم نے کہا واللہ یہی ہے اس طرح کہ گویا تو آپ کو آپ کی زندگی میں دیکھ رہا ہے پس وہ تھوڑی دیر تک غور سے اسے دیکھتا رہا پھر ہم سے کہنے لگا کہ یہ آخری گھر تھا لیکن میں نے اور گھروں کو چھوڑ کر اسے بیچ میں ہی اس لئے کھول دیا کہ تمہیں آزما لوں کہ تم پہچان جاتے ہو یا نہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے بھی سیاہ رنگ ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں نرمی والی صورت تھی بال گھنگھریا لے آنکھیں گہری نظریں تیز تیور تھیکے دانت پر دانت ہونٹ موٹے نور ہے تھے جیسے کہ غصے میں بھرے ہوئے ہیں ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا بادشاہ نے کہا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اسی کے متصل ایک اور صورت تھی جو قریب قریب اسی کی سی تھی مگر ان کے سر کے بال گویا تیل لگے ہوئے تھے ماتھا کشادہ تھا آنکھوں میں کچھ فراحت تھی ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہمارے انکار پر کہا یہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید رنگ ریشم کا کٹلا نکالا جس میں ایک گندم گوں رنگ میانہ قد سیدھے بالوں والا ایک شخص تھا گویا وہ غضبناک تھے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکال کر دکھایا جس میں سنہرے رنگ کے ایک آدمی تھے جن کا قد طویل نہ تھا رخسار ہلکے تھے چہرہ خوبصورت تھا ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا اس میں جو صورت تھی وہ پہلی صورت کے بالکل مشابہ تھی مگر ان کے ہونٹ پرتل تھا ہم سے پوچھا اسے پہچان لیا؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک شکل تھی سفید رنگ خوبصورت اونچی ناک والے اچھے قامت والے نورانی چہرے والے جس میں خوف اللہ ظاہر تھا رنگ سرخی مائل سفید تھا پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ تمہارے نبی ﷺ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑے کا کٹلا نکال کر دکھایا جس میں ایک صورت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی صورت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور چہرہ تو سورج کی طرح روشن تھا پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشم کا پار چنکالا کر ہمیں دکھایا جس میں ایک صورت تھی سرخ رنگ بھری پنڈلیاں کشادہ آنکھیں اونچا پیٹ قدرے چھوٹا قد تلوار لٹکائے ہوئے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشم نکالا جس میں ایک صورت تھی موٹی رانوں والی لمبے پیروں والی گھڑ سوار پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے سیاہ رنگ حریری پار چنکالا جس میں ایک صورت تھی

سفید رنگ نوجوان سخت سیاہ داڑھی بہت زیادہ بال، خوشنما آنکھیں، خوبصورت چہرہ، پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ ہم نے پوچھا آپ کے پاس یہ صوتیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی اصلی صورت کے بالکل ٹھیک نمونے ہیں، کیونکہ ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ کی صورت کو بالکل ٹھیک اور درست پایا، بادشاہ نے جواب دیا، بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب العزت سے دعا کی کہ آپ کی اولاد میں سے جو انبیاء علیہم السلام ہیں، ان سب کو آپ کو دکھایا جائے پس ان کی صورتیں آپ پر نازل ہوئیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے خزانے میں جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر تھا، محفوظ تھیں ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے لے لیا اور حضرت دانیال کو دیں پھر بادشاہ کہنے لگا کہ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اپنی بادشاہت چھوڑ دوں، میں اگر غلام ہوتا تو تمہارے ہاتھوں بک جاتا اور تمہاری غلامی میں اپنی پوری زندگی بسر کرتا۔ پھر اس نے ہمیں بہت کچھ تحفے تحائف دے کر اچھی طرح رخصت کیا جب ہم خلیفہ المسلمین امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے اور فرمانے لگے، اس مسکین کے ساتھ اللہ کی توفیق رفیق ہوتی تو یہ ایسا کر گذرتا، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ نصرانی اور یہودی حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اپنی کتابوں میں برابر پاتے ہیں۔

یہ روایت امام بیہقی کی کتاب دلائل العبودۃ میں بھی ہے، اس کی اسناد بھی خوف و خطر سے خالی ہے۔ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں، میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفیتیں تورات میں ہوں، وہ مجھے بتاؤ، تو انہوں نے فرمایا، ہاں واللہ آپ کی صفیتیں تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ اے نبی، ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پڑھوں کو گمراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، آپ کا نام متوکل ہے، آپ بدگوار و بدخلق نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا، جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے لا الہ الا اللہ کہلو، اگر ٹیڑھے دین کو درست نہ کر دے، بند دلوں کو کھول دے گا، بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے گا، اندھی آنکھوں کو دیکھتی کر دے گا، یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں، پھر میں حضرت کعب سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا، ایک حرف کی بھی کمی بیشی دونوں صاحبوں کے بیان میں نہ تھی، یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی لغت میں دونوں کے الفاظ بولے۔ بخاری شریف کی اس روایت میں اس ذکر کے بعد کہ آپ بدخلق نہیں، یہ بھی ہے کہ آپ بازاروں میں شور و غل کرنے والے نہیں، آپ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں، بلکہ معافی اور درگزر کرنے والے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے ذکر کے بعد ہے کہ سلف کے کلام میں عموماً تورات کا لفظ اہل کتاب کی کتابوں پر بولا جاتا ہے، اس کے مشابہ اور بھی روایات ہیں۔ واللہ اعلم بطرانی میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ میں تجارت کی غرض سے شام میں گیا، وہاں میری ملاقات اہل کتاب کے ایک عالم سے ہوئی، اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی تم میں ہوئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، اس نے کہا اگر تمہیں ان کی صورت دکھائیں تو تم پہچان لو گے؟ میں نے کہا ضرور، چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی صورتیں تھیں، لیکن ان میں میری نگاہ میں حضور کی کوئی شبیہ نہ آئی، اسی وقت ایک اور عالم آیا، ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ جب اسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ ہمیں اپنے مکان لے گیا، وہاں جاتے ہی میری نگاہ آپ کی شبیہ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ گویا کوئی آپ کے پیچھے ہی آپ کو تھامے ہوئے ہے، میں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا یہ دوسرے صاحب کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو نبی آیا، اس کے بعد بھی نبی آیا، لیکن اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس کے پیچھے کا یہ شخص اس کا خلیفہ ہے اب جو میں نے غور سے دیکھا تو وہ بالکل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل تھی۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے موزن اقرع کو ایک پادری کے پاس بھیجا، آپ اسے بلالائے

امیر المؤمنین نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم میری صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، کہا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرن آپ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا قرن کیا ہے؟ اس نے کہا گویا کہ وہ لوہے کا سینک ہے، وہ امیر ہے، دین میں بہت سخت، فرمایا اچھا میرے بعد والے کی صفت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خلیفہ تو وہ نیک صالح ہے لیکن اپنے قرابت داروں کو وہ دوسروں پر ترجیح دے گا، آپ نے فرمایا اللہ عثمان پر رحم کرے، تین بار یہ فرمایا پھر فرمایا اچھا ان کے بعد؟ اس نے کہا لوہے کے ٹکڑے جیسا، حضرت عمر نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور افسوس کرنے لگے، اس نے کہا اے امیر المؤمنین ہوں گے تو وہ نیک خلیفہ، لیکن بنائے ہی اس وقت جائیں گے جب تلوار کھچی ہوئی ہو اور خون بہہ رہا ہو (ابوداؤد) ان کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ نیکوں کا حکم دیں گے۔ برائیوں سے روکیں گے۔ فی الواقع آپ ایسے ہی تھے۔ کونسی بھلائی ہے جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو؟ کونسی برائی ہے جس سے آپ نے نہ روکا ہو؟ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، تم جب قرآن کے یہ لفظ سنا کہ اے ایمان والو! تو اسی وقت ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ یا تو کسی خیر کا تمہیں حکم کیا جائے گا یا کسی شر سے تمہیں بچایا جائے گا۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید اللہ کی وحدانیت کی تھی جس کا حکم برابر ہر نبی کو ہوتا رہا۔ قرآن شاہد ہے کہ ہر امت کے رسول کو پہلا حکم یہی ملا کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مندا احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جب تم میری کسی حدیث کو سنا جسے تمہارے دل پہچان لیں، تمہارے جسم اس کی قبولیت کے لئے تیار ہو جائیں اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ وہ میرے لائق ہے، تو میں اس سے بہ نسبت تمہارے زیادہ لائق ہوں اور جب تم میرے نام سے کوئی ایسی بات سنا جس سے تمہارے دل انکار کریں اور تمہارے جسم نفرت کریں اور تم دیکھو کہ وہ تم سے بہت دور ہے، پس میں بہ نسبت تمہارے بھی اس سے بہت دور ہوں اس کی سند بہت پکی ہے۔

اس کی ایک اور روایت میں حضرت علیؑ کا قول ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ سے منقول کوئی حدیث سنا تو اس کے ساتھ وہ خیال کرو جو خوب راہ والا بہت مبارک اور بہت پرہیزگاری والا ہو۔ پھر حضورؐ کی ایک صفت بیان ہو رہی ہے کہ آپ کل پاک صاف اور طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں، بہت سی چیزیں ان میں ایسی تھیں جنہیں لوگوں نے از خود حرام قرار دے لیا تھا، جیسے جانوروں کو بتوں کے نام کر کے نشان ڈال کر انہیں حرام سمجھا وغیرہ اور ضبیٹ اور گندی چیزیں آپ لوگوں پر حرام کرتے ہیں، جیسے سور کا گوشت سود وغیرہ اور جو حرام چیزیں لوگوں نے از خود حلال کر لی تھیں بعض علماء کا فرمان ہے کہ اللہ کی حلال چیزیں کھاؤ، وہ دین میں بھی ترقی کرتی ہیں اور بدن میں بھی فائدہ پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں حرام کر دی ہیں ان سے بچو کیونکہ ان سے دین کے نقصان کے علاوہ صحت میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چیزوں کی اچھائی برائی دراصل عقلی ہے، اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں لیکن یہ جگہ اس کے بیان کی نہیں۔ اسی آیت کو زیر نظر رکھ کر بعض اور علماء نے کہا ہے کہ جن چیزوں کا حلال حرام ہونا کسی کو نہ پہنچا ہو اور کوئی آیت یا حدیث اس کے بارے میں نہ ملی ہو تو دیکھنا چاہئے کہ عرب اسے اچھی چیز سمجھتے ہیں یا اس سے کراہت کرتے ہیں، اگر اسے اچھی چیز جان کر استعمال میں لاتے ہیں تو حلال ہے اور اگر بری چیز سمجھ کر نفرت کر کے اسے نہ کھاتے ہوں تو وہ حرام ہے اس اصول میں بھی بہت کچھ گفتگو ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ آپ بہت صاف آسان اور ہل دین لے کر آئیں گے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں ایک طرف آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حضور ﷺ میں کا امیر بنا کر بھیجے ہیں تو فرماتے ہیں، تم دونوں خوش خبری دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، مل کر رہنا، اختلاف نہ کرنا۔ آپ کے صحابی ابو بزرہ اسلمیؓ فرماتے ہیں، میں حضورؐ کے ساتھ رہا ہوں اور آپ کی آسانیوں کا خوب مشاہدہ کیا ہے، پہلی امتوں میں بہت سختیاں تھیں، لیکن پروردگار عالم نے اس امت سے

عمر راضی نہ ہوئے بلکہ کواڑ بند کر لئے، آپ لوٹ کر دربار محمدی میں آئے اس وقت اور صحابی بھی حضور کی مجلس میں موجود تھے آپ نے فرمایا: تمہارے اس ساتھی نے انہیں ناراض اور غضبناک کر دیا، حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ کی واپسی کے بعد بہت ہی نام نہ ہوئے اور اسی وقت دربار رسالت ماب میں حاضر ہو کر تمام بات کہہ سنائی، حضور ناراض ہوئے ابو بکر صدیقؓ بار بار کہتے جاتے تھے کہ یا رسول اللہؐ زیادہ ظلم تو مجھ سے سرزد ہوا ہے، حضور نے فرمایا: کیا تم میرے ساتھی کو میری وجہ سے چھوڑتے نہیں؟ سنو جب میں نے اس آواز حق کو اٹھایا کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو تم نے کہا تو جھوٹا ہے، لیکن اس ابو بکرؓ نے کہا: آپ سچے ہیں مسند امام احمد میں ہیں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں یا در ہے کہ میں اسے فخر نہیں کہتا، میں تمام سرخ و سیاہ لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہوں اور میری مدد مہینے بھر کے فاصلے سے صرف رعب کے ساتھ کی تھی ہے اور میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنا دی گئی ہے اور مجھے اپنی امت کی شفاعت عطا فرمائی گئی ہے جسے میں نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ غزوہ تبوک والے سال رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے، پس بہت سے صحابہ آپ کے پیچھے جمع ہو گئے کہ آپ کی چوکیداری کریں نماز کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس رات مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے اور کسی کو نہیں دی گئیں (۱) میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھ سے پہلے کے تمام رسول صرف اپنی اپنی قوم کی طرف ہی بنا کر بھیجے جاتے رہے (۲) مجھے اپنے دشمنوں پر رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے، گودہ مجھ سے مہینے بھر کے فاصلے پر ہوں وہیں وہ مرعوب ہو جاتے ہیں (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے (۴) اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیزیں بنا دی گئی ہیں جہاں کہیں میرے امتی کو نماز کا وقت آ جائے وہ تیمم کر لے اور نماز ادا کر لے، مجھ سے پہلے کے لوگ اس کی عظمت کرتے تھے، سوائے ان جگہوں کے جو نماز کے لئے مخصوص تھیں اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مجھ سے فرمایا گیا: آپ دعا کیجئے، مانگئے کیا مانگتے ہیں؟ ہر نبی مانگ چکا ہے تو میں نے اپنے اس سوال کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے، پس وہ تم سب کے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اس کی اسناد بہت پختہ ہے اور مسند احمد میں یہ حدیث موجود ہے مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ میری اس امت میں سے جس یہودی یا نصرانی کے کان میں میرا ذکر پڑے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔ یہ حدیث دوسری سند سے صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرا ذکر اس امت کے جس یہودی نصرانی کے پاس پہنچے اور وہ مجھ پر اور میری وحی پر ایمان نہ لائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں آپ نے ان پانچویں چیزوں کا ذکر فرمایا جو صرف آپ کو ہی ملی ہیں پھر فرمایا: ہر نبی نے شفاعت کا سوال کر لیا ہے اور میں نے اپنے سوال کو چھپا رکھا ہے اور ان کے لئے اٹھا رکھا ہے جو میری امت میں سے توحید پر مرے یہ حدیث جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہیں دی گئیں، مہینے بھر کی مسافت تک رعب سے امداد و نصرت ساری زمین کا مسجد و طور ہونا کہ میری امت کو جہاں وقت نماز آ جائے ادا کر لے، غنیمتوں کا حلال کیا جانا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں، شفاعت کا دیا جانا تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا جانا حالانکہ پہلے کے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجے جاتے تھے۔

پھر فرماتا ہے کہ کہو مجھے اس اللہ نے بھیجا ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے سب چیزوں کا خالق مالک ہے جسکے ہاتھ میں ملک ہے جو مارنے جلانے پر قادر ہے جس کا حکم چلتا ہے پس اے لوگو تم اللہ پر اور اس کے رسول و نبی پر ایمان لاؤ جو ان پڑھ ہونے کے باوجود دنیا کو پڑھا رہے ہیں انہی کا تم سے وعدہ تھا اور ان ہی کی بشارت تمہاری کتابوں میں بھی ہے انہی کی صفیں اگلی کتابوں میں ہیں یہ خود اللہ کی ذات پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں قول و فعل سب میں اللہ کے کلام کے مطیع ہیں تم سب ان کے ماتحت اور فرمانبردار ہو جاؤ انہی کے طریقے پر چلو اور انہی کی فرمانبرداری کرو تم راہ راست پر آ جاؤ گے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٍ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۵۵﴾

قوم موسیٰ میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کی رہبری کرتی ہے اور حق کے ساتھ انصاف و عدل کرتی ہے ○

انبیاء کا قاتل گروہ: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۹) اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ امت موسیٰ میں بھی ایک گروہ حق کا ماننے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ اِخْ اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر قائم ہے راتوں کو اللہ کے کلام کی تلاوت کرتی رہتی ہے اور برابر سجدے کیا کرتی ہے۔ اور آیت میں ہے وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ اِخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا ہے ایمان لاتے ہیں اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اللہ کی باتوں کو دینی نفع کی خاطر فروخت نہیں کرتے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور آیت میں ہے الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ اِخ جنہیں ہم نے اس قرآن سے پہلے اپنی کتاب دی ہے وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اس کی آیات سن کر اپنے ایمان کا اور اس کی حقانیت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے ہی مسلمان تھے انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر ہے۔

اور آیت میں ہے الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ اُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِه اِخ جو لوگ ہماری کتاب ہوئے ہیں اور اسے حق تلاوت کی ادائیگی کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰتٰوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ اِخ جو لوگ پہلے علم دیئے گئے ہیں وہ ہمارے پاک قرآن کی آیات سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں ہماری پاکیزگی کا اظہار کر کے ہمارے وعدوں کی سچائی بیان کرتے ہیں اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے کرتے ہیں اور عاجزی اور اللہ سے خوف کھانے میں سبقت لے جاتے ہیں۔

امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس جگہ ایک عجیب خبر لکھی ہے کہ ابن جریج فرماتے ہیں جب بنی اسرائیل نے کفر کیا اور اپنے نبیوں کو قتل کیا ان کے بارہ گروہ تھے ان میں سے ایک گروہ اس نالائق گروہ سے الگ رہا اللہ تعالیٰ سے معذرت کی اور دعا کی کہ ان میں اور ان گیارہ گروہ میں وہ تفریق کر دے چنانچہ زمین میں ایک سرنگ ہو گئی یہ اس میں چلے گئے اور چین کے پرلے پار نکل گئے وہاں پر سچے سیدھے مسلمان انہیں ملے جو ہمارے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آیت وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهِ لِبَنِيۤ اِسْرٰٓءِیْلَ اَسْكُنُوْا الْاَرْضَ اِخ کا یہی مطلب ہے۔ اس آیت میں جس دوسرے وعدے کا ذکر ہے یہ آخرت کا وعدہ ہے۔ کہتے ہیں اس سرنگ میں ڈیڑھ سال تک وہ چلتے رہے۔ کہتے ہیں اس قوم کے اور تمہارے درمیان ایک نہر ہے۔

وَقَطَّعْنَهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ
 إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمَهُ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ
 مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ
 وَظَلَلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّانَ وَالسَّلْوَىٰ كُلُّوا
 مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ
 يَظْلِمُونَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا
 حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَغْفِرْ لَكُمْ
 خَطِيئَتَكُمْ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦٧﴾

ہم نے انہیں بارہ قبیلوں اور گروہ میں بانٹ دیا اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جبکہ اس کی قوم نے اس سے پانی طلب کیا کہ اپنی لکڑی پتھر پر مار دے پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا جو ستھری روزی ہم نے تم کو دے رکھی ہے کھاؤ انہوں نے ہمارا تو کوئی بگاڑ نہیں کیا ہاں بیشک اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے ان سے فرمایا کہ تم اس سبستی میں رہو اور جہاں جی چاہے یہاں کھاؤ پيو اور زبان سے حطہ کہو یعنی ہمارے گناہ اتار دے اور اس دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ تو ہم تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے سبکی کرنے والوں کو ہم زیادتی دیا کرتے ہیں ○

(آیت: ۱۶۰-۱۶۲) یہ سب آیات سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور وہیں ان کی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ ہم نے بیان کر دی ہے وہ سورت مدنیہ ہے اور یہ مکہ ہے۔ ان آیات اور ان احادیث کا فرق بھی مع لطافت کے ہم نے وہیں ذکر کر دیا ہے۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا
 عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٨﴾ وَسَأَلَهُمْ عَنِ
 الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ
 إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَعًا وَيَوْمَ لَا
 يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٩﴾

پھر بھی ان میں سے جو ظالم تھے انہیں جو بات کہی گئی تھی اس کے سوا انہوں نے اور بدل ڈالی پھر تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا اس لئے کہ وہ ظلم پر کمر بستہ تھے ○ ان سے اس گاؤں کا حال تو دریافت کر جو دریا کے کنارے تھا جبکہ وہاں کے لوگ ہفتے کے دن احکام میں حد سے گزرنے لگے جبکہ ان کی مچھلیاں ان کے پاس ان کے ہفتے والے دن تو کھلم کھلا چڑھی چلی آتی تھیں اور جس دن وہ ہفتہ نہ مانتے، مچھلیاں بھی ان کے پاس نہ آتیں ہم انہیں یوں ہی آزمانے لگے

○ کیونکہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○

تصدیق رسالت سے گریزاں یہودی علماء: ☆ ☆ (آیت: ۱۶۳) اس واقعہ کی آیت وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ گزر چکی ہے اسی واقعہ کا تفصیلی بیان اس آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے یہودیوں سے ان کے پہلے باپ دادوں کی بابت سوال کیجئے، جنہوں نے اللہ کے فرمان کی مخالفت کی تھی، پس ان کی سرکشی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے ہماری اچانک پکڑاں پر مسلط ہوئی اس واقعہ کو یاد دلا کہ یہ بھی میری ناگہانی سزا سے ڈر کر اپنی اس ملعون صفت کو بدل دیں اور آپ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں ہیں انہیں نہ چھپائیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح ان پر بھی ہمارے عذاب ان کی بے خبری میں برس پڑیں ان لوگوں کی یہ سستی بحر قلزم کے کنارے واقع تھی جس کا نام آئندہ تھا مدین اور طور کے درمیان یہ شہر تھا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سستی کا نام مدین تھا ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام تنا تھا یہ مدین اور عینوں کے درمیان تھا۔ انہیں حکم ملا کہ یہ ہفتہ کے دن کی حرمت کریں اور اس دن شکار نہ کھیلیں مچھلی نہ پکڑیں ادھر مچھلیوں کی حکم الہی یہ حالت ہوئی کہ ہفتے والے دن تو چڑھی چلی آتیں کھلم کھلا ہاتھ لگتیں تیرتی پھرتیں سب طرف سے سمٹ کر آجاتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا تو ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی بلکہ تلاش پر بھی ہاتھ نہ لگتی یہ ہماری آزمائش تھی کہ مچھلیاں ہیں تو شکار منع اور شکار جائز ہے تو مچھلیاں نادر اور چونکہ یہ لوگ فاسق اور بے حکم تھے اس لئے ہم نے بھی ان کو اس طرح آزمایا آخر ان لوگوں نے حیلہ جوئی شروع کی ایسے اسباب جمع کرنے شروع کئے جو باطن میں اس حرام کام کا ذریعہ بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کی طرح حیلے کر کے ذرا سی دیر کے لئے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لینا۔ اس حدیث کو امام عبد اللہ ابن بطہ لائے ہیں اور اس کی سند نہایت عمدہ ہے اس کے راوی احمد بن محمد بن سلمہ کا ذکر امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور انہیں ثقہ کہا ہے باقی تمام راوی بہت مشہور ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں ایسی بہت سی سندوں کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ
أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعذَرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ
عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعِقَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا
قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

جبکہ ان کے ایک گروہ نے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ عارت کرنے والا ہے یا جنہیں سخت تر عذاب کرنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں کا اپنے اوپر کا التزام اتارنے کے لئے اور اس خیال سے بھی کہ شاید یہ باز آجائیں ○ آخر ان لوگوں نے جب وہ تمام باتیں بھلا دیں جو انہیں بطور نصیحت کی گئیں تھیں تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو بچا کر ان ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں سخت بدترین عذابوں میں پھنسا لیا ○ پھر جس کام سے وہ

روکے گئے تھے جب اس میں حد سے تجاوز کر گئے تو آخرش ہم نے حکم دے دیا کہ تم سب ذلیل بند رہن جاؤ۔

اصحابِ سبت: ☆ ☆ (آیت: ۱۶۳-۱۶۶) جس بستی کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کے تین گروہ ہو گئے تھے ایک تو حرام شکار کھیلنے والا اور حیلے حوالوں سے مچھلی پکڑنے والا دوسرا گروہ انہیں روکنے والا اور ان سے بیزاری ظاہر کر کے ان سے الگ ہو جانے والا اور تیسرا گروہ چپ چاپ رہ کر نہ اس کام کو کرنے والا نہ اس سے روکنے والا جیسے کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار بیان کر آئے ہیں۔ جو لوگ خاموش تھے نہ برائی کرتے تھے نہ بروں کو برائی سے روکتے تھے انہوں نے روکنے والوں کو سمجھانا شرع کیا کہ میاں ان لوگوں کو کہنے سننے سے کیا فائدہ؟ انہوں نے تو اللہ کے عذابِ مول لے لئے ہیں رب کے غضب کے لئے تیار ہو گئے ہیں اب تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ تو اس پاک گروہ نے جواب دیا کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ اللہ کے پاس ہم معذرت خواہ ہو جائیں کہ ہم اپنا فرض برابر ادا کرتے رہے انہیں ہر وقت سمجھاتے بجاتے رہے۔ ”معذرتہ“ پیش سے بھی ایک قرأت ہے تو گویا ہذا کا لفظ یہاں مقدر مانا یعنی انہوں نے کہا یہ ہماری معذرت ہے اور زبر کی قرأت پر یہ مطلب ہے کہ ہم جو انہیں روک رہے ہیں یہ کام بطور اس کے کر رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہم پر الزام نہ آئے کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کسی وقت کی نصیحت ان پر اثر کر جائے یہ لوگ اپنی اس حرام کاری سے باز آ جائیں اللہ سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربانی کرے اور ان کے گناہ معاف فرمادے آخر کار ان کی نصیحت خیر خواہی بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی ان بدکاروں نے ایک نہ مانی تو ہم نے اس مسلم گروہ کو جو برابر ان سے نالاں رہا ان سے الگ رہا اور انہیں سمجھاتا بجاتا رہا نجات دے دی اور باقی کے ظالموں کو جو ہماری نافرمانیوں کے مرتکب تھے اپنے بدترین عذابوں سے پکڑ لیا عمارت کی عمدگی ملاحظہ ہو کہ روکنے والوں کی نجات کا کھلے لفظوں میں اعلان کیا ظالموں کی ہلاکت کا بھی غیر مشتبہ الفاظ میں بیان کیا اور چپ رہنے والوں کے حالات سے سکوت کیا گیا اس لئے کہ ہر عمل کی جزا اسی کی ہم جنس ہے یہ لوگ نہ تو اس ظلمِ عظیم میں شریک تھے کہ ان کی مذمت علانیہ کی جائے نہ دلیری سے روکتے تھے کہ صاف طور پر قابلِ تعریف ٹھہریں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جو گروہ ممانعت کرنے کے بعد تھک کر بیٹھ گیا تھا اور پھر روکنا چھوڑ دیا تھا اللہ کا عذاب جب آیا تو یہ گروہ بھی اس عذاب سے بچ گیا صرف وہی ہلاک ہوئے جو گناہ میں مبتلا تھے آپ کے شاگرد حضرت مکرمہؓ کا بیان ہے کہ پہلے حضرت ابن عباسؓ کو اس میں بڑا تردد تھا کہ آیا یہ لوگ ہلاک ہوئے یا بچ گئے یہاں تک کہ ایک روز میں آیا تو دیکھا کہ قرآن گوڈ میں رکھے ہوئے رو رہے ہیں پہلے تو میرا حوصلہ نہ پڑا کہ سامنے آؤں لیکن دیر تک جب یہی حالت رہی تو میں نے قریب آ کر سلام کیا بیٹھ گیا اور رونے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا دیکھو یہ سورہ اعراف ہے اس میں ایلہ کے یہودیوں کا ذکر ہے کہ انہیں ہفتے کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دی گئی اور ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتے کے دن ہی نکلیں ہفتے کے دن دریا مچھلیوں سے بھرے رہتے تھے تو تنازہ موٹی اور عمدہ بکثرت مچھلیاں پانی کے اوپر اچھلتی کودتی رہتی تھیں باقی دنوں میں سخت کوشش کے باوجود بھی نہ ملتی تھیں کچھ دنوں تک تو ان کے دلوں کے اندر حکمِ الہی کی عظمت رہی اور یہ ان کے پکڑنے سے روکے رہے لیکن پھر شیطان نے ان کے دل میں یہ قیاس ڈال دیا کہ اس دن منع کھانے سے ہے تم نے آج کھانا نہیں پکڑا اور جائز دن کھا لینا سچے مسلمانوں نے انہیں اس حیلہ جوئی سے ہر چند روکا اور سمجھایا کہ دیکھو شکار کھیلنا شروع نہ کرو شکار کرنا اور کھانا دنوں ممنوع ہیں اگلے جمعہ کے دن جو جماعتِ شیطانی پھندے میں پھنس چکی تھی وہ اپنے بال بچوں سمیت شکار کو نکل کھڑی ہوئی باقی کے لوگوں کی دو جماعتیں بن گئیں ایک ان کے دائیں بائیں دائیں جانب والی تو برابر انہیں روکتی رہی

کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کے عذابوں کے لئے تیاری نہ کرو بائیں والوں نے کہا 'میں تمہیں کیا بڑی؟ یہ تو خراب ہونے والے ہیں اب تم انہیں نصیحت کر کے کیا لو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خیر اللہ کے ہاں ہم تو چھوٹ جائیں گے اور ہمیں تو اب تک مایوسی بھی نہیں، کیا عجب کہ یہ لوگ سنور جائیں تو ہلاکت اور عذاب سے محفوظ رہیں ہماری تو عین منشا یہ ہے، لیکن یہ بدکار اپنی بے ایمانی سے باز نہ آئے اور نصیحت انہیں کارگر نہ ہوئی تو دائیں طرف کے لوگوں نے کہا تم نے ہمارا کہا نہ مانا، اللہ کی نافرمانی کی ارتکاب حرمت کیا، عجب نہیں راتوں رات تم پر کوئی عذاب رب آئے اور اللہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسا دے یا کسی اور طرح تمہیں سزا دے رات ہم تو یہیں گزاریں گے اور تمہارے ساتھ شہر میں نہیں رہیں گے۔ جب صبح ہو گئی اور شہر کے دروازے نہ کھلے تو انہوں نے کواڑ کھٹ کھٹائے، آوازیں دیں، لیکن کوئی جواب نہ آیا، آخر سیزھی لگا کر ایک شخص کو قلعہ کی دیوار پر چڑھایا، اس نے دیکھا تو حیران ہو گیا کہ سب لوگ بندر بنا دیئے گئے، اس نے ان سب مسلمانوں کو خبر دی، یہ دروازے توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ سب دم دار بندر بن گئے ہیں، یہ تو کسی کو پہچان نہ سکے، لیکن وہ پہچان گئے ہر بندر اپنے اپنے رشتے دار کے قدموں میں لوٹنے لگا، ان کے کپڑے پکڑ پکڑ کر رونے لگا، تو انہوں نے کہا دیکھو ہم تو تمہیں منع کر رہے تھے، لیکن تم نے مانا ہی نہیں، وہ اپنا سر ہلاتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے ہمارے اعمال کی شامت نے ہی ہمیں بر باد کیا ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ تو قرآن میں ہے کہ روکنے والے نجات یافتہ ہوئے، لیکن یہ بیان نہیں کہ جو روکنے والوں کو منع کرتے تھے ان کا کیا حشر ہوا؟ اب ہم بھی بہت سی خلاف باتیں دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت مکرّمہ کہتے ہیں میں نے آپ سے یہ سن کر کہا، اللہ مجھے آپ پر نثار کر دے، آپ یہ تو دیکھئے کہ وہ لوگ ان کے اس فعل کو برا سمجھتے رہے تھے ان کی مخالفت کرتے تھے، جانتے تھے کہ یہ ہلاک ہونے والے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بچ گئے، آپ کی سمجھ میں آ گیا اور اسی وقت حکم دیا کہ مجھے دو چادریں انعام میں دی جائیں۔

الغرض اس بیچ کی جماعت کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ عذاب سے بچ گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عذاب ان پر بھی آیا۔ ابن رومان فرماتے ہیں کہ ہفتے والے دن خوب مچھلیاں آئیں، پانی ان سے بھر جاتا پھر بیچ کے کسی دن نظر نہ آئیں، دوسرے ہفتے کو پھر یہی حال ہوتا سب سے پہلے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ڈور اور کانا تیار کیا، مچھلی کو اس میں ہفتے کے دن پھنسا لیا اور پانی میں ہی چھوڑ دیا، اتوار کی رات کو جا کر نکال لیا، بھونا، لوگوں کو مچھلی کی خوشبو پہنچی تو سب نے گھیر لیا، ہر چند پوچھا، لیکن اول تو یہ سختی سے انکار کرتا رہا، آخر شب بات بنا دی کہ دراصل ایک مچھلی کا چھلکا مجھے مل گیا تھا، میں نے اسے بھونا تھا۔ دوسرے ہفتے کے دن اس نے اسی طرح دو مچھلیاں پھانس لیں، اتوار کی رات کو نکال کر بھوننے لگا لوگ آگئے تو اس نے کہا، میں نے ایک ترکیب نکال لی ہے جس سے نافرمانی بھی نہ ہو اور کام بھی نہ کر کے، اب جو حیلہ بیان کیا تو ان سب نے اسے پسند کیا اور بکثرت لوگ یونہی کرنے لگے، یہ لوگ رات کو شہر پناہ کے پھانک بند کر کے سوتے تھے۔ جس رات عذاب آیا، حسب دستور یہ شہر پناہ کے پھانک لگا کر سوتے تھے، صبح کو جب باہر والے شہر میں داخل ہونے کیلئے آئے تو خلاف معمول اب تک دروازے بند پائے، آوازیں دیں، کوئی جواب نہ ملا تو قلعہ پر چڑھ گئے، دیکھا تو بندر بنا دیئے گئے ہیں، کھول کر اندر گئے تو بندر اپنے اپنے رشتہ داروں کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ اس سے پہلے سورہ بقرہ کی ایسی ہی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر بالتفصیل ان واقعات کو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں، وہیں دیکھ لیجئے، فالحمدا للہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو چپ رہے تھے، وہ بھی ان گنہگاروں کے ساتھ ہلاک ہوئے ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پہلے ہفتہ کے دن کی تعظیم بطور بعت خود ان لوگوں نے نکالی، اب اللہ کی طرف سے بطور آزمائش وہ تعظیم ان پر ضروری قرار دے دی گئی اور حکم ہو گیا

کہ اس دن پھلی کا شکار نہ کرو۔ پھر پھلیوں کا اس دن نمایاں ہونا اور دنوں میں نہ نکلنا وغیرہ بیان فرما کر فرمایا کہ پھر ان میں سے ایک شخص نے ایک مچھلی ہفتے کے دن پکڑی، اس کی ناک میں سوراخ کر کے ڈور باندھ کر ایک کیل کنارے گاڑ کر اس میں ڈورا لٹکا کر مچھلی کو ریا میں ڈال دیا دوسرے دن جا کر پانی میں سے نکال لایا اور بھون کر کھالی۔ سوائے اس پاک باذن جو جماعت کے لوگوں کے کسی نے نہ اسے روکا نہ منع کیا نہ سمجھایا، لیکن ان کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا، اس ایک کی دیکھا دیکھی اور بھی یہی کام کرنے لگے یہاں تک کہ بازاروں میں مچھلی آنے لگی اور علانیہ یہ کام ہونے لگا۔ ایک اور جماعت کے لوگوں نے اس حق والی جماعت سے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو اللہ تو انہیں ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب کرنے والا ہے تو انہوں نے وہ جواب دیا یعنی اللہ کا فرمان دہرایا، لیکن لوگ فرمان ربانی کو بھول بیٹھے اور عذاب رب کے خود شکار ہو گئے یہ تین گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک تو شکار کھیلنے والا ایک منع کرنے والا اور ایک ان منع کرنے والوں سے کہنے والا کہ اب نصیحت بیکار ہے۔ پس وہ توجیح گئے جو برابر روکتے رہے تھے۔ اور باقی دونوں جماعتیں ہلاک کر دی گئیں۔ سند اس کی نہایت عمدہ ہے، لیکن حضرت ابن عباسؓ کا حضرت عمرؓ کے قول کی طرف رجوع کرنا اس قول کے کہنے سے اولیٰ ہے اس لئے اس قول کے بعد ان پر ان کے حال کی حقیقت کھل گئی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ ہم نے ظالموں کو سخت عذابوں سے دبوچ لیا۔ مفہوم کی دلالت تو اس بات پر ہے کہ جو باقی رہے توجیح گئے۔ ”بئیس“ کی کئی ایک قراتیں ہیں اس کے معنی سخت دردناک، تکلیف دہ کے ہیں اور سب کا مطلب قریب قریب یکساں ہے۔ ان کی سرکشی اور ان کے حد سے گزر جانے کے باعث ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم ذلیل، حقیر اور ناقدرے بند رہیں جاؤ چنانچہ وہ ایسے ہی ہو گئے۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيُبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ
سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَعْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَّمًا مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ
دُونَ ذَلِكَ وَبَلَّوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶۸﴾

یاد کرو جبکہ تیرے رب نے صاف صاف خبر کر دی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو انہیں بدترین سزائیں دیتے رہیں گے بیشک تیرا رب بہت جلد سزاؤں کا کرنے والا ہے اور بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے اور مہربانی کرنے والا ہے ○ ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ گروہ کر کے انہیں ملک میں پھیلا دیا، ان میں سے بعض تو نیک کار ہیں اور بعض اور طرح کے، ہم نے انہیں کچھ دکھ سے دونوں طرح آزمایا کہ وہ لوٹ آئیں ○

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی ☆ ☆ (آیت: ۱۶۷) اللہ تعالیٰ نے یہود کو اطلاع کر دی کہ ان کی اس سخت نافرمانی، بار بار کی بغاوت اور ہر موقعہ پر نافرمانی، رب سے سرکشی اور اللہ کے حرام کو اپنے کام میں لانے کے لئے حیلہ جوئی کر کے اسے حلال کی جامہ پوشی کا بدلہ یہ ہے کہ قیامت تک تم دبے رہو ذلت میں رہو لوگ تمہیں پست کرتے چلے جائیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان پر تادان مقرر کر دیا تھا سات سال یا تیرہ سال تک یہ اسے ادا کرتے رہے سب سے پہلے خراج کا طریقہ آپ نے ہی ایجاد کیا پھر ان پر یونانیوں کی حکومت ہوئی پھر کسانوں، کلدانیوں اور نصرانیوں کی سب کے زمانے میں ذلیل اور حقیر رہے ان سے جزیہ لیا جاتا رہا اور انہیں پستی سے ابھرنے کا کوئی موقع نہ ملا پھر اسلام آیا اور اس نے بھی انہیں پست کیا جزیہ اور خراج برابر ان سے وصول ہوتا رہا، غرض یہ ذلیل رہے اور اس

امت کے ہاتھوں بھی حقارت کے گڑھے میں گرے رہے۔ بالآخر یہ دجال کے ساتھ مل جائیں گے لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جا کر ان کی تخم ریزی کر دیں گے۔ جو بھی اللہ کی شریعت مخالفت کرتا ہے اللہ کے فرمان کی تحقیر کرتا ہے اللہ سے جلدی ہی سزا دیتا ہے ہاں جو اس کی طرف رغبت و رجوع کرے توبہ کرے، جھکے تو وہ بھی اس کے ساتھ بخشش و رحمت سے پیش آتا ہے چونکہ ایمان نام ہے خوف اور امید کا اسی لئے یہاں اور اکثر جگہ عذاب ثواب، پکڑ دکر اور بخشش اور لالچ دونوں کا ایک ساتھ بیان ہوا ہے۔

رشوت خوری کا انجام ذلت و رسوائی ہے: ﴿۶۰﴾ ﴿آیت: ۱۶۸﴾ بنی اسرائیل مختلف فرقے اور گروہ کر کے زمین میں پھیلا دیئے گئے جیسے فرمان ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم زمین میں رہو، سو جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تمہیں جمع کر کے لائیں گے ان میں کچھ تو نیک تھے کچھ بد تھے جنات میں بھی یہی حال ہے جیسے سورہ جن میں ان کا قول ہے کہ ہم میں کچھ تو نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے ہیں ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے آئے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ ہم نے انہیں سختی نرمی سے لالچ اور خوف سے عافیت اور بلا سے غرض ہر طرح پرکھ لیا تاکہ وہ اپنے کروت سے ہٹ جائیں جب یہ زمانہ بھی گذرا جس میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ تھے ان کے بعد تو ایسے ناخلف اور نالائق آئے جن میں کوئی بھلائی اور خیریت تھی ہی نہیں یہ اب تورات کی تلاوت والے رہ گئے۔ ممکن ہے اس سے مراد صرف نصرانی ہوں اور ممکن ہے کہ یہ خیر عام نصرانی غیر نصرانی سب پر مشتمل ہو وہ حق بات کو بد لئے اور منانے کی فکر میں لگ گئے جیب بھر دو جو چاہو کھلو الودین ہوس یہ ہے کہ ہے کیا؟ توبہ کر لیں گے معاف ہو جائے گا پھر موقعہ آیا پھر دنیا لے کر اللہ کی باتیں بدل دیں گناہ کیا توبہ کی پھر موقعہ ملے ہی لپک کر گناہ کر لیا، مقصود ان کا دنیا طلبی ہے حلال سے ملے چاہے حرام سے پھر بھی مغفرت کی تمنا ہے یہ ہیں جو وارث رسول کھلاتے ہیں اور جن سے اللہ نے عہد لیا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ
هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفِرُ لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ
يَأْخُذُوهُ ۗ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَنَّ لَا يَقُولُوا
عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالذَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ
يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۰﴾ وَالَّذِينَ يَمَسُكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ ۗ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۶۱﴾

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوئے کہ کتاب کے وارث بن کر اس خیس دنیا کا اسباب اختیار کرتے ہیں اس پر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہمیں تو ضرور بخش دیا جائے گا حالانکہ اگر پھر بھی ان کے پاس اسی طرح کا اسباب آجائے تو یہ اسے بھی لے لیں کیا ان سے کتاب کا یہ مضبوط عہد نہیں لیا گیا کہ وہ سوائے حق بات کے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے نہ کہیں گے انہوں نے تو جو کچھ اس کتاب میں ہے خود پڑھا ہے آخرت کا گھر پرہیزگار لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے کیا تم نہیں سمجھتے ○ جو کتاب اللہ کو مضبوطی سے لئے رہیں اور نماز کی پابندی کریں یقیناً ہم نیکی اور اصلاح کرنے والوں کا ثواب برباد نہیں کرتے ○

(آیت: ۱۶۹-۱۷۰) جیسے دوسری آیت میں ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز تک ضائع کر دیا۔ بنی اسرائیل

کا آوے کا آوا بگڑ گیا، آج ایک کو قاضی بناتے ہیں وہ رشوتیں کھانے اور احکام بدلنے لگتا ہے، وہ اسے ہٹا کر دوسرے کو قائم مقام کرتے ہیں اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے پوچھتے ہیں بھی ایسا کیوں کرتے ہو؟ جواب ملتا ہے اللہ غفور ورحیم ہے، پھر وہ ان لوگوں میں سے کسی کو اس عہدے پر لاتے ہیں جو اگلے قاضیوں، حاکموں اور ججوں کا شاکی تھا لیکن وہ بھی رشوتیں لینے لگتا ہے اور ناحق فیصلے کرنے لگتا ہے، پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم سے مضبوط عہد و پیمانہ ہم نے لیا ہے کہ تم حق کو ظاہر کیا کرو، اسے نہ چھپاؤ، لیکن یہ ذلیل دنیا کے لالچ میں آ کر عذاب رب مول لے رہے ہو۔ اسی وعدے کا بیان وَاِذَا اخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ اَوْتُوا الْكِتَابَ اَلْحَمْدُ لِيَسْمَعُوا لِيَعْنِي اللّٰهُ تَعَالٰی نے یہود و نصاریٰ سے عہد لیا تھا کہ وہ کتاب اللہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہیں گے اور اس کی کوئی بات نہ چھپائیں گے۔ یہ بھی اس کے خلاف تھا کہ گناہ کرتے چلے جائیں، تو بہ نہ کریں اور بخشش کی امید رکھیں۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پاس کے اس اجر و ثواب کی لالچ دکھاتا ہے کہ اگر تقویٰ کیا، حرام سے بچے، خواہش نفسانی کے پیچھے نہ لگے، رب کی اطاعت کی تو آخرت کا بھلا تمہیں ملے گا جو اس فانی دنیا کے ٹھانڈے سے بہت ہی بہتر ہے، کیا تم میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ گراں بہا چیز کو چھوڑ کر دی چیز کے پیچھے پڑے ہو؟ پھر جناب باری عزوجل ان مومنوں کی تعریف کرتا ہے جو کتاب اللہ پر قائم ہیں اور اس کتاب کی راہنمائی کے مطابق اس پیغمبر آخرا زمان ﷺ کی اتباع کرتے ہیں، کلام رب پر جم کر عمل کرتے ہیں احکام الہی کو دل سے مانتے ہیں اور بجالاتے ہیں اس کے منع کردہ کاموں سے رک گئے ہیں، نماز کو پابندی، دلچسپی، خشوع اور خضوع سے ادا کرتے ہیں، حقیقتاً یہی لوگ اصلاح پر ہیں، ناممکن ہے کہ ان نیک اور پاکباز لوگوں کا بدلہ ضائع کر دے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ
خُذُوا مَا آتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾
وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن
تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غٰفِلِينَ ﴿٥٨﴾

اور جبکہ ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا، اس طرح کہ سمجھنے لگے کہ وہ ان پر گر پڑنے والا ہی ہے، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی سے لے رہو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تمہارا بچاؤ ہو جائے ○ جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی اولادیں نکالیں اور خود ان ہی کو ان کا گواہ بنا دیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار کرنے والا نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ بیشک ہو ہم گواہ ہیں، یہ اس لئے کہ میں قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے ○

(آیت: ۱۷۱) اسی طرح کی آیت وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ اَلْحَمْدُ ہے یعنی ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا، اسے فرشتے اٹھالائے تھے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام انہیں ارض مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ اتر جانے کے بعد تختیاں اٹھالیں اور ان میں جو حکم احکام تھے وہ انہیں سنائے تو انہیں وہ سخت معلوم ہوئے اور تسلیم و قبول سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا (نسائی) مروی ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے ان سے فرمایا کہ لو اللہ کی

کتاب کے احکام قبول کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں سناؤ اس میں کیا احکام ہیں؟ اگر آسان ہوئے تو ہم منظور کر لیں گے ورنہ نہیں مانیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کے اصرار پر بھی یہ لوگ یہی کہتے رہے آخر اسی وقت اللہ کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا ہو گیا اور اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: بولو اب مانتے ہو یا اللہ تعالیٰ تم پر پہاڑ گرا کر تمہیں فنا کر دے؟ اسی وقت یہ سب کے سب مارے ڈر کے سجدے میں گر پڑے، لیکن بائیں آنکھ سجدے میں تھی اور دائیں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ گرنے پڑے، چنانچہ یہودیوں میں اب تک سجدے کا طریقہ یہی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح کے سجدے نے ہم پر سے عذاب الہی دور کر دیا ہے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو کھولا تو ان میں کتاب تھی جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، اسی وقت تمام پہاڑ درخت پتھر سب کانپ اٹھے آج بھی یہودی تہذیب و تورات کے وقت کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے سر جھک جاتے ہیں۔

ہر روح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانا: ☆ ☆ (آیت: ۱۷۲) اولاد آدم سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ان کی بیٹیوں سے روز اول میں نکالیں، پھر ان سب سے اس بات کا اقرار کر لیا کہ رب خالق مالک، معبود صرف وہی ہے، اسی فطرت پر پھر دنیا میں ان سب کو ان کے وقت پر اس نے پیدا کیا، یہی وہ فطرت ہے جس کی تبدیلی ناممکن ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دین پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، جیسے کہ بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و مخلص پیدا کیا۔ پھر شیطان نے آ کر انہیں ان کے سچے دین سے بہکا کر میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ
بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۲﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ
وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۳﴾

یا کہنے لگو کہ شرک تو پہلے ہی سے ہمارے بڑے کرتے رہے اور ہم تو ان کی نسلوں میں سے تھے تو کیا تو ہمیں ان خطا کاروں کے جرم کی سزا میں ہلاک کر رہا ہے؟ ہم اسی طرح تفصیل دار آیتوں کو بیان فرمادیتے ہیں تاکہ لوگ باز آجائیں ○

(آیت: ۱۷۲-۱۷۳) قبیلہ بنو سعد کے ایک صحابی حضرت اسود بن سریق فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چار غزوے کئے، لوگوں نے لڑنے والے کفار کے قتل کے بعد ان کے بچوں کو بھی پکڑ لیا، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا، لوگ ان بچوں کو کیوں پکڑ رہے ہیں؟ کسی نے کہا حضورؐ وہ بھی تو مشرکوں کے ہی بچے ہیں؟ فرمایا، سنو تم میں سے بہتر لوگ مشرکین کی اولاد میں ہیں یا رکھو ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر زبان چلنے پر اس کے ماں باپ یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم دینے لگتے ہیں، اس کے راوی حضرت حسن فرماتے ہیں، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اللہ نے اولاد آدم سے اپنی توحید کا اقرار لیا ہے (ابن جریر) اس اقرار کے بارے میں کئی ایک احادیث مروی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخی سے کہا جائے گا، اگر تمام دنیا تیری ہو تو کیا تو خوش ہے کہ اسے اپنے ندیے میں دے کر میرے عذابوں سے آج بچ جائے؟ وہ کہے گا ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تو اس سے بہت ہی ہلکے درجے کی چیز تجھ سے طلب کی تھی اور اس کا وعدہ بھی تجھ سے لے لیا تھا کہ میرے سوا تو کسی اور کی عبادت نہ کرے، لیکن تو اسے توڑے بغیر نہ رہا اور دوسرے

کو میرا شریک عبادت ٹھہرایا۔

مسند میں ہے، نعمان نامی میدان میں اللہ تعالیٰ نے پشت آدم میں سے عرفی کے دن ان کی تمام اولاد ظاہر فرمائی، سب کو اس کے سامنے پھیلا دیا اور فرمایا کہ میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں، ہم گواہ ہیں پھر آپ نے مبطلون تک آیت تلاوت فرمائی یہ روایت موقوف ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم اس وقت لوگ چیونٹیوں کی طرح تھے اور تر زمین پر تھے۔ حضرت ضحاک بن مزاحم کے چھ دن کی عمر کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا، جابر اسے دفن کر کے اس کا منہ کفن سے کھول دینا اور گرہ بھی کھول دینا کیونکہ میرا یہ بچہ بٹھا دیا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا۔ جابر نے حکم کی بجا آوری کی پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے بچے سے کیا سوال ہوگا اور کون سوال کرے گا؟ فرمایا اس ميثاق کے بارے میں جو صلب آدم میں لیا گیا ہے سوال کیا جائے گا میں نے پوچھا، وہ ميثاق کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو جتنے انسان قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں سب کی روحمیں آئیں اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ وہ اسی کی عبادت کریں گے، اس کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانیں گے، خود ان کے رزق کا کفیل بنا، پھر انہیں صلب آدم میں لوٹا دیا، پس یہ سب قیامت سے پہلے ہی پہلے پیدا ہوں گے۔ جس نے اس وعدے کو پورا کیا اور اپنی زندگی میں اس پر قائم رہا، اسے وہ وعدہ نفع دے گا اور جس نے اپنی زندگی میں اس کی خلاف ورزی کی، اسے پہلے کا وعدہ کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور جو بچپن میں ہی مر گیا، وہ ميثاق اول پر اور فطرت پر مرا، ان آثار سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والی حدیث کا موقوف ہونا ہی اکثر اور زیادہ ثبوت والا ہے، ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، بنی آدم کی پیٹھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ایسی نکالیں جیسے کنگھی بالوں میں سے نکلتی ہے، ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا، انہوں نے اقرار کیا، فرشتوں نے شہادت دی اس لیے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اس سے غفلت کا بہانہ نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا، یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا، تو آپ نے میرے سنتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا کیا، اپنے داہنے ہاتھ سے ان کی پیٹھ کو چھوا، اس سے اولاد نکلی، فرمایا میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے، یہ جہنمیوں کے اعمال کریں گے، تو آپ سے سوال ہوا کہ پھر عمل کس گنتی میں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو جنتی ہیں، ان سے مرتے دم تک جنتیوں کے اعمال ہی سرزد ہوں گے اور جنت میں جائیں گے، ہاں جو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس سے وہی اعمال سرزد ہوں گے، انہی پر مرے گا اور جہنم میں داخل ہوگا (ابوداؤد) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نکال کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور رکھ کر حضرت آدم کے سامنے پیش کیا، حضرت آدم نے پوچھا کہ یا اللہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے، ان میں سے ایک کے ماتھے کی چمک حضرت آدم کو بہت اچھی لگی، پوچھا یا اللہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ تیری اولاد میں سے بہت دور جا کر ہیں، ان کا نام داؤد ہے، پوچھا ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال، کہا یا اللہ چالیس سال میری عمر میں سے ان کی عمر میں زیادہ کر، پس جب حضرت آدم کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں، فرشتے نے کہا کہ آپ کو یاد نہیں کہ آپ نے یہ چالیس سال اپنے بچے حضرت داؤد کو بہہ کر دیئے ہیں، بات یہ ہے کہ چونکہ آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کی عادی ہے، آدم خود بھول گئے، ان کی اولاد بھی بھولتی ہے، آدم نے خطا کی، ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے، یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح لکھتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ان میں جذامی ہے، کوئی کوڑھی ہے، کوئی اندھا ہے، کوئی بیمار ہے، تو پوچھا

کہ یا اللہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا یہ کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ ان میں یہ زیادہ روشن اور نورانی چہروں والے کون ہیں؟ فرمایا پیغمبر انبیاء ہیں کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں یہ ہمارا ذاتی عمل ہے یا کہ فیصل شدہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو ان کی پیٹھوں سے نکالا انہیں گواہ بنایا پھر اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی پس اہل جنت پر ٹونیک کام آسان ہوتے ہیں اور دوزخیوں پر برے کام آسان ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور قضیہ ختم کیا تو جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملنے والا ہے انہیں اپنی داہنی مٹھی میں لیا اور بائیں والوں کو بائیں مٹھی میں لیا پھر فرمایا اے دائیں طرف والو انہوں نے کہا لبیک وسعدیک فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں پھر سب کو ملا دیا کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ ان کے لئے اور اعمال ہیں جنہیں یہ کرنے والے ہیں یہ تو صرف اس لئے کہلوا یا گیا ہے کہ انہیں یہ عذر نہ رہے کہ ہم اس سے غافل تھے پھر سب کو صلب آدم میں لوٹا دیا حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں اس میدان میں اس دن سب کو جمع کیا صورتیں دیں بولنے کی طاقت دی پھر عہد و میثاق لیا اور اپنے رب ہونے پر خود انہیں گواہ بنایا اور ساتوں آسمانوں ساتوں زمینوں اور حضرت آدم کو گواہ کیا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں نہ میرے سوا کوئی اور مربی ہے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں اپنے رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں یہ وعدہ یاد دلائیں گے میں اپنی کتابیں اتاروں گا تاکہ تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلاتی رہیں سب نے جواب میں کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے تو ہی ہمارا معبود ہے تیرے سوا ہمارا کوئی مربی نہیں پس سب سے اطاعت کا وعدہ لیا۔ اب جو حضرت آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو امیر غریب اور اس کے سوا مختلف قسم کے لوگوں پر نظر پڑی تو آپ کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ سب برابر ایک ہی حالت کے ہوتے تو جواب ملا کہ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص میری شکر گزاری کرے۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں اللہ کے پیغمبر بھی ہیں۔ ان سے پھر علیحدہ ایک اور میثاق لیا گیا جس کا بیان آیت **وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ** ہے۔ اسی عام میثاق کا بیان آیت **فَطَرَتِ اللَّهُ فِيهِ** ہے۔ اسی لئے فرمان ہے **هَذَا نَذِيرٌ مِنَ النَّذِيرِ الْأُولَى** اسی کا بیان اس آیت میں ہے **وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ** (مسند احمد) حضرت مجاہد حضرت عمرؓ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت حسنؓ حضرت قتادہؓ حضرت سدی اور بہت سے سلف سے ان احادیث کے مطابق اقوال مروی ہیں طوالت سے بچنے کیلئے چند اصحاب کے نام درج کر دیئے ہیں ماحصل سب کا یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آپ کی پیٹھ سے نکالا جنتی دوزخی الگ الگ کئے اور وہ ہیں ان کو اپنے رب ہونے پر گواہ کر لیا۔ یہ جن دو احادیث میں ہے وہ دونوں مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں۔ اسی لئے سلف و خلف میں اس بات کے قائل گذرے ہیں کہ اس سے مراد فطرت پر پیدا کرنا ہے جیسے کہ مرفوع اور صحیح احادیث میں وارد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ **مِنْ بَنِي آدَمَ وَمِنْ ظُهُورِهِمْ** کہا ورنہ من ادم اور من ظہرہ ہوتا ان کی نسلیں اس روز نکالی گئیں جو کہ یکے بعد دیگرے مختلف قرونوں میں ہونے والی تھیں۔ جیسے فرمان ہے **هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلْفِ الْأَرْضِ** اللہ ہی نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین کیا ہے۔ اور جگہ ہے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا رہا ہے۔

اور آیت میں ہے جیسے تمہیں دوسرے لوگوں کی اولاد میں کیا العرض حال وقال سے سب نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ شہادت قوی ہوتی ہے جیسے آیت **شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا** میں اور شہادت کبھی حال سے ہوتی ہے جیسے آیت **شَهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ** میں یعنی ان کا حال ان کے کفر کی کھلی اور کافی شہادت ہے۔ اس طرح کی آیت **وَأَنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ** ہے۔ اسی طرح سوال

بھی کبھی زبان سے ہوتا ہے کبھی حال سے۔ جیسے فرمان ہے **وَإِنَّكُمْ مِّنْ كُلِّ مَآسَأٍ لَّمُؤَهُۥٓ** اس نے تمہیں تمہارا منہ مانگا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی پس اگر یہ واقع میں ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تاکہ اس پر حجت رہے اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمان رسولؐ سے خبر پالینا کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو رسولوں کو ہی نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح جانتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھہرایا ہے پس اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت ربانی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحید باری تعالیٰ ہے اسی لئے فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم توحید سے غافل تھے اور یہ بھی نہ کہہ سکو کہ شرک تو ہمارے اگلے باپ دادوں نے کیا تھا ان کے اس ایجاد کردہ گناہ پر ہمیں سزا کیوں؟ پھر تفصیل وار آیات کے بیان فرمانے کا راز ظاہر کیا کہ اس کو سن کر برائیوں سے باز آ جانا ممکن ہو جاتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَاسْلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ
الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ
أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ
تَحَمَّلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتْرَكَهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصِصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۷۶﴾
سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوا
يَظْلِمُونَ ﴿۱۷۷﴾

انہیں اس شخص کا واقعہ بھی پڑھ سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن وہ ان سے الگ ہٹ گیا اور شیطان اس کے درپے ہو گیا پس انجام کار وہ گمراہوں میں جا ملا ○ اگر ہم چاہتے تو نشانیاں کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے لیکن اس نے تو پستی ہی کی طرف میلان کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا پس اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر اس پر مشقت لا دے تو بھی بانپتا رہے اور چھوڑ دے جب بھی بانپتا ہی رہے یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں تو ان واقعات کو بیان کرتا رہے کہ یہ غور و فکر کر سکیں ○ بڑی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں ○

بلعم بن باعورا: ☆ ☆ (آیت: ۱۷۵-۱۷۷) مروی ہے کہ جس شخص کا واقعہ ان آیات میں بیان ہو رہا ہے اس کا نام بلعم بن باعورا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام صبی بن راہب تھا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ بیت المقدس میں رہا کرتا تھا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یعنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا۔ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی بنی اسرائیل غنیمتوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے اللہ اس کی دعا مقبول فرمایا کرتا تھا اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکرو فریب سے اپنا گرویدہ کر لیا اور اس کے نام کی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جا ملا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام

بلعام تھا یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے۔ ممکن ہے یہ کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ خود حضور ﷺ کے زمانے کو بھی اس نے پایا، آپ کی آیات بینات دیکھیں، معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، ہزار ہا کودین حق میں داخل ہوتے دیکھا، لیکن مشرکین کے میل جول ان میں امتیاز ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا، اس نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیئے کہے۔ لعنة اللہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دعائیں جو بھی یہ کرے گا مقبول ہوں گی اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دعاؤں میں سے ایک دعا میرے لئے کر، اس نے منظور کر لیا اور پوچھا کیا دعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن و خوبصورت عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو، اس نے دعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہو گئی اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی، بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہو گئی، اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے، یہ بھی منظور ہوئی، وہ کتیا بن گئی اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا، لوگ ہمیں طعن دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں، آپ دعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لادے چنانچہ اس نے وہ تیسری دعا بھی کر لی، تینوں دعائیں یوں ہی ضائع ہو گئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خبر رہ گیا۔ مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ نبی تھا، یہ محض جھوٹ ہے اور کھلا افترا ہے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے، انہی جبارین میں بلعام نامی یہ شخص تھا، اس کی قوم اور اس کے قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے آپ بد دعا کیجئے، اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا و آخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہو گئی، یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا، بد دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرا دیا۔

سدی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیبہ میں چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون (علیہ السلام) کو نبی بنا کر بھیجا، انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں، یہ آمادہ ہو گئے، بیعت کر لی، انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا، جو بڑا عالم تھا، اسم اعظم جانتا تھا، یہ بد نصیب کافر ہو گیا، قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا، تم نہ گھبراؤ، جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا، میں ان پر بد دعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا، اس کے پاس تمام دنیوی ٹھانڈھے تھے، لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا، بلکہ ایک گدھی پال رکھی تھی، اسی بد قسمت کا ذکر اس آیت میں ہے، شیطان اس پر غالب آ گیا، اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا، جو وہ کہتا، یہ کرتا تھا، آخر ہلاک ہو گیا، مسند ابویعلیٰ موصلیٰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہوگا اور دینی ترقی پر ہوگا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا، اسے پس پشت ڈال دے گا، اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہوگا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ یا وہ جسے تہمت لگا رہا ہے، فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں، دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں، اپنی دی ہوئی آیات کی تابعداری پر قائم رکھیں، لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا، یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہو گیا، اسے سجدہ کر لیا، کہتے ہیں کہ اس بلعام

سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے، اس نے کہا اچھا میں اللہ سے حکم لے لوں، جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں، اس نے سب سے کہا کہ مجھے بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے، انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے، اس نے سب رکھ لئے، پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے، آپ ضرور ان پر بددعا کیجئے، اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا، اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا، اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا تھا، اس کی بھی سمجھ میں آ گیا، اٹھ کر بددعا شرع کی اللہ کی شان ہے بددعا ان پر کرنے کی بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح و نصرت کی دعا نکلتی، قوم نے کہا، آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا، کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں، سنو اگر سچ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی بھی تو قبول نہ ہوگی سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں، اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے۔ تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کر کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں۔ ممکن ہے بوجہ مسافرت یہ لوگ زنا کاری میں مبتلا ہو جائیں، اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا، خود بادشاہ کی بڑی حسین و جمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی، اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپئے، یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے، حرام کاری سے بچ نہ سکے، شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا، اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں، اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا، اس نے اجازت دی، یہ غضبناک اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا۔ اور اس نے اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دست و بازو قوی کر دیئے، اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے ہوئے اٹھالیا، لوگوں نے بھی انہیں دیکھا، اب اس لشکر پر رب کا عذاب طاعون کی شکل میں آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا، وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی، اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی، آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے، سامنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا، یہ اتر پڑا اور سجدے میں گر گیا، الغرض ایمان سے خالی ہو گیا، اس کا نام یا تو بلعام تھا یا بلعم بن باعورایا، ابن ابریا، ابن باعور، بن شہوم، بن قوشتم، بن ماب، بن لوط بن ہارون، یا ابن حران بن آرز، یہ بلقا کار نہیں تھا، اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔ واللہ اعلم، ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی، اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا، کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی، اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا، گدھی کو اللہ نے زبان دی، اس نے کہا تیرا نام اسے دیا جائے، تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے اس کے رسولؐ سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے؟ دیکھ تو سہی، فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں، اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا، آگے بڑھ گیا، حسان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا، اب ان کے لئے بددعا اور اپنی قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی، دعا کی جگہ بددعا اور بددعا کی جگہ دعا نکلتی گئی، قوم نے کہا، کیا کر رہے ہو؟ کہا بے بس ہوں، اسی وقت اس کی زبان نکل کر سینے پر لٹکنے لگی، اس نے کہا، لو میری

دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا۔ پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب رب آجائے گا۔ ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانہ تھی اور جس کا نام کسستی تھا، جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گزری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا، وہ اس پر فریفتہ ہو گیا، دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے، آپ نے کہا بیشک اس نے کہا اچھا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا، اسے اپنے خیے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا، وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا۔ حضرت فحاش بن عیزار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے، جب آئے اور تمام حقیقت سنی تو بے تاب ہو کر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرو لیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے، کھنی کوکھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ! ہمیں معاف فرما، ہم پر سے یہ بادور فرما، دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں، ان کی دعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مرچکے تھے دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکر یاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آجائیں، بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فحاش کی اولاد کو دیا کرتے ہیں، اسی بلعام بن باعور کا ذکر ان آیات میں ہے۔

فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ خالی ہے تو ہانتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانتا رہتا ہے۔ یا تو اس مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی، کتے کی طرح ہانتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا، یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جہے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت، علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا، جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اپنے پاؤں تلے روند و خواہ چھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے، انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر، اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں، منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔

پھر اللہ عز و جل اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہتا کہ ان میں سے جو عالم ہیں وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آجائیں اور یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا، دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا، آخر نہ یہ ملانہ وہ دونوں ہاتھ خالی رہ گئے، اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایات پڑھ رہے ہیں، آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر پھول نہ جائیں، ورنہ یہ بھی اس کی طرح دنیا میں کھو دیئے جائیں گے۔ انہیں چاہئے کہ اپنی علیت سے فائدہ اٹھائیں۔ سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور دوسرے لوگوں پر حق کو ظاہر کریں، دیکھ لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف ننگے ننگے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگے، جائے وہ بھی کتے جیسا ہی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، ہمارے لئے بری مثالیں نہیں اپنی بہہ کی ہوئی چیز کو پھولے لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ گناہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں، یہ تو اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں، طاعت مولیٰ، اتباع ہدی سے۔

ہنا کر خواہش کی غلامی اور دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيٌّ وَمَنْ يُضِلِّ فَأُولَئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُونَ ﴿۵۸﴾ وَ لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ
بِهَا وَ لَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْإِنْعَامِ بَلَّ هُمْ
أَضْلٰ أُولَئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۵۹﴾

راہ راست پر تو وہی ہیں جنہیں اللہ ہدایت دے دے اور جنہیں وہ بے راہ کر دے وہ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور ہم نے بہت انسان اور جنات جہنم کے لئے ہی پیدا کئے ہیں ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے بوجھتے نہیں ان کی آنکھیں بھی ہیں لیکن ان سے دیکھتے بھالنے نہیں ان کے کان بھی ہیں لیکن سن گن ان میں بھی نہیں یہ تو چو پاؤں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے یہی لوگ تو پورے غافل اور بے خبر رہے ہیں ○

بہترین دعا: ☆ ☆ (آیت: ۱۷۸) رب جنہیں راہ دکھائے انہیں کوئی بے راہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہی غلط راہ پڑ ڈال دے اس کی شومی قسمت میں کیا شک ہے؟ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں ہم اپنے نفس کی شر اتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی اللہ کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لانا نہیں سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میری گواہی ہے کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (مسند احمد وغیرہ)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۷۹) بہت سے انسان اور جن جنہی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ یہ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے، پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا۔ جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو میں نے کہا کہ مبارک ہو اس کو یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا آپ نے فرمایا کچھ اور بھڑی؟ سن اللہ تعالیٰ نے جنت کو اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے حالانکہ کہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کیے ہیں انہیں اسی لیے مقرر کر دیا ہے درآں حالیکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ماں کے رحم میں اللہ تعالیٰ اپنا فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے چار چیزوں یعنی روزی، عمر، عمل اور نیکی یا بدی کو لکھ دیتا ہے۔ یہ بھی بیان گذر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو پشت آدم سے نکالا تو ان کے دو حصے کر دیئے دائیں والے اور بائیں والے اور فرما دیا یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں اور تقدیر کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں کہ یہاں پورا بیان ہو جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ایسے خالی از خیر محروم قسمت

لوگ کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے، تمام اعضاء ہوتے ہیں لیکن قوتیں سب سے چھن جاتی ہیں، اندھے بہرے، گونگے بن کر زندگی گڑھے میں ہی گزار دیتے ہیں، اگر ان میں خیر باقی ہوتی تو اللہ اپنی باتیں انہیں سنانا بھی یہ تو خیر سے بالکل خالی ہو گئے، سننے ہیں اور ان سنی کر جاتے ہیں، آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ رحمان کے ذکر سے منہ موڑنے کی سزا یہ ملی ہے کہ شیطان کے بھائی بن گئے ہیں، راہ حق سے دور جا پڑے ہیں مگر سمجھ یہی رہے ہیں کہ ہم سچے اور صحیح راستے پر ہیں۔ ان میں اور چوپائے جانوروں میں کوئی فرق نہیں نہ یہ حق کو دیکھیں اور نہ ہدایت کو دیکھیں، نہ اللہ کی باتوں کو سوچیں۔ چوپائے بھی تو اپنے حواس دنیا کے کام میں لاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی فکر عظمیٰ سے، ذکر رب سے، راہ مولا سے غافل، گونگے اور اندھے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءٌ وَنِدَاءٌ الخ، یعنی ان کافروں کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اس کے پیچھے چلا رہا ہے جو درحقیقت سنتی و سنتی خاک بھی نہیں۔ ہاں صرف شور و غل تو اس کے کان میں پڑتا ہے۔ چوپائے آواز تو سنتے ہیں لیکن کیا کہا؟ اسے سمجھ ان کی بلا۔

پھر ترقی کر کے فرماتا ہے کہ یہ تو ان چوپایوں سے بھی بدترین ہیں کہ چوپائے گونہ سمجھیں، لیکن آواز پر کان تو کھڑے کر دیتے ہیں، اشاروں پر حرکت تو کرتے ہیں، یہ تو اپنے مالک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے اپنی پیدائش کی غایت کو آج تک معلوم ہی نہیں کیا، جہی تو اللہ سے کفر کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کے برخلاف جو اللہ کا مطیع انسان ہو، وہ اللہ کے اطاعت گزار فرشتے سے بہتر ہے اور کفار انسان سے چوپائے جانور بہتر ہیں، ایسے لوگ پورے غافل ہیں۔

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي
أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸۰﴾

اللہ ہی کے لئے ہیں تمام بہترین نام، پس ان ناموں سے تم اسے پکارا کرو، انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، وہ اپنے لئے کابلہ ضرور دے جائیں گے ○

اسماء الحسنیٰ: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۰) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ایک کم سونا نام ہیں۔ انہیں جو محفوظ کر لے، وہ جنتی ہے، وہ وتر ہیطاق ہی کو پسند کرتا ہے (بخاری وغیرہ) ترمذی میں یہ ناوے نام اس طرح ہیں اللہ الذی لا الہ الا هو الرحمن الرحیم الملک القدوس السلام المؤمن المہیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق الباری المصور الغفار القهار الوہاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصیر الحکم العدل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المقیت الحسیب الحلیل الکریم الرقیب المحیب الواسع الحکیم الودود المعید الباعث الشہید الحق الوکیل القوی المتین اولی الحمید المحصی المبدی المعید المحی الممیت الحی القیوم الواحد الماجد الواحد الاحد الفرد الصمد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الاخر الظاهر الباطن الوالی المتعالی البر التواب المنتقم العفو الرؤوف مالک الملک ذوالجلال والاکرام المقسط الجامع الغنی المغنی المانع الضار النافع النور الہادی البدیع الباقي الوارث الرشید الصبور۔

یہ حدیث غریب ہے۔ کچھ کمی زیادتی کے ساتھ اسی طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی وارد ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ راویوں نے یہ نام قرآن سے چھانٹ لیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ یاد رہے کہ یہی کنانہ نے نام اللہ کے ہوں اور نہ ہوں یہ بات نہیں۔ مندا احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے کبھی بھی کوئی غم ورنج پہنچے اور وہ یہ دعا کرے اللھم انی عبدك ابن عبدك ابن امتك ناصیتی بیدك ماض فی حکمك عدل فی قضاؤك اسألك بكل اسم هو لك سمیت به نفسك و انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی و نور صدری و جلاء حزنی و ذهاب همی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے غم ورنج کو دور کر دے گا اور اس کی جگہ راحت و خوشی عطا فرمائے گا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ پھر کیا ہم اسے اوروں کو بھی سکھائیں؟ آپ نے فرمایا بے شک جو اسے سنے اسے چاہئے کہ دوسروں کو بھی سکھائے۔ امام ابو حاتم بن حبان بستی بھی اسی روایت کو اسی طرح اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ امام ابوبکر بن عربی بھی اپنی کتاب عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کتاب و سنت سے جمع کیے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی ہے واللہ اعلم۔

اللہ کے ناموں سے الحاد کرنے والوں کو چھوڑ دو جیسے کہ لفظ اللہ سے کافروں نے اپنے بت کا نام لات رکھا اور عزیز سے مشتق کر کے عزی نام رکھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جو اللہ کے ناموں میں شریک کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو جو انہیں جھٹلاتے ہیں ان سے منہ موڑ لو۔ الحاد کے لفظی معنی ہیں درمیانہ سیدھے راستے سے ہٹ جانا اور گھوم جانا۔ اسی لیے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کیونکہ سیدھی کھدائی سے ہٹا کر بنائی جاتی ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۸۱﴾

ہماری مخلوق میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی پر انصاف کرتے ہیں ○

امت محمد ﷺ کے اوصاف: ☆☆ (آیت: ۱۸۱) یعنی بعض لوگ حق و عدل پر قائم ہیں حق بات ہی زبان سے نکالتے ہیں حق کام ہی کرتے ہیں حق کی طرف ہی اوروں کو بلاتے ہیں حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں۔ اور بعض آثار میں مروی ہے کہ اس سے مراد امت محمدیہ ہے چنانچہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب نبی ﷺ اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ یہ تمہارے لیے ہے تم سے پہلے یہ وصف قوم موسیٰ کا تھا۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہے میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں وہ خواہ کبھی بھی اتریں۔ بخاری و مسلم میں ہے آپ فرماتے ہیں میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گا انہیں ان سے دشمنی کرنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے گا وہ اسی پر رہیں گے۔ ایک اور روایت ہے (اس وقت) وہ شام میں ہوں گے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۲﴾ وَأَمْلِي لَهُمْ إِنَّا كِيدِي مَتِينٌ ﴿۱۸۳﴾ أَوْلَمْ
تَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ
مُّبِينٌ ﴿۱۸۴﴾

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹ جانتے ہیں ہم انہیں آہستہ آہستہ اس طرح گھینٹتے جائیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا میری تدبیر بہت ہی مضبوط ہے ○ کیا انہوں نے کبھی اس بات کو نہیں سوچا کہ ان کے رفیق کو کسی طرح کی دیوانگی نہیں دہ تو صاف صاف آگاہ کرنے والا ہی ہے ○

سامان لعیش کی کثرت عتاب الہی بھی ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۲-۱۸۳) یعنی ایسے لوگوں کو روزی میں کشادگی دی جائے گی، معاش کی آسانیاں ملیں گی وہ دھوکے میں پڑ جائیں گے اور حقانیت کو بھول جائیں گے، جب پورے مست ہو جائیں گے اور ہماری نصیحت کو گئی گذری کر دیں گے تو ہم انہیں ہر طرح کے آرام دیں گے یہاں تک کہ وہ مست ہو جائیں گے تب انہیں ہم ناگہانی پکڑ میں پکڑ لیں گے اس وقت وہ مایوسی کے ساتھ منہ تکتے رہ جائیں گے اور ان ظالموں کی رگ کٹ جائے گی۔ حقیقتاً تعریفوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انہیں میں تو ڈھیل دوں گا اور یہ میرے اس داؤ سے بے خبر ہوں گے میری تدبیر کبھی ناکام نہیں ہوتی، وہ بڑی مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے۔

صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۳) کیا ان کافروں نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ میں جنون کی کوئی بات بھی ہے؟ جیسے فرمان ہے: قُلْ إِنَّمَا أَعْطٰكُمْ بَوَاحِدَةٍ الْخِ آؤ مِیرِی اِیک بات تو مان لو ذرا سی دیر خلوص کے ساتھ اللہ کو حاضر جان کر اکیلے وکیلے غور تو کرو کہ مجھ میں کون سا دیوانہ پن ہے؟ میں تو تمہیں آنے والے سخت خطرے کی اطلاع دے رہا ہوں کہ اس سے ہو شیار رہو۔ جب تم یہ کرو گے تو خود اس نتیجے پر پہنچ جاؤ گے کہ میں مجنون نہیں بلکہ اللہ کا پیغام دے کر تم میں بھیجا گیا ہوں۔ حضور نے ایک مرتبہ صفا پہاڑ پر چڑھ کر قریشیوں کے ایک ایک قبیلے کا الگ الگ نام لے کر انہیں اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اسی طرح صبح کر دی تو بعض کہنے لگے کہ دیوانہ ہو گیا ہے اس پر یہ آیت اتری۔

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ
اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّ اَنْ عَسٰی اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اَقْتَرَبَ
اَجَلُهُمْ فَبِآیِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضَلِلِ
اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذُرُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

کیا انہوں نے کبھی آسمان و زمین کی مملکت میں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں کبھی غور نہیں کیا؟ اور اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آگئی ہو؟ پھر اب یہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ○ اللہ کے ہر کائے ہوئے کا رجمنا کوئی نہیں انہیں تو اللہ تعالیٰ سرکشی میں ہی سرگرداں چھوڑ دیتا ہے ○

شیطانی چکر: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۵) اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اتنی بڑی وسیع بادشاہت میں سے اور زمین و آسمان کی ہر طرح کی مخلوق میں سے کسی ایک چیز نے بھی بعد از غور و فکر انہیں یہ توفیق نہ دی کہ یہ با ایمان ہو جاتے؟ اور رب کو بے نظیر و بے شبہ واحد و فرد مان لیتے؟ اور جان لیتے کہ اتنی بڑی خلق کا خالق اتنے بڑے ملک کا واحد مالک ہی عبادتوں کے لائق ہے؟ پھر یہ ایمان قبول کر لیتے اور اسی کی عبادتوں میں لگ جاتے اور شرک و کفر سے یکسو ہو جاتے؟ انہیں ڈر لگنے لگتا کہ کیا خبر ہماری موت کا وقت قریب ہی آ گیا ہو؟ ہم کفر پر ہی مرجائیں تو ابدی سزاؤں میں پڑ جائیں؟ جب انہیں اتنی نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد اس قدر باتیں سمجھا دینے کے بعد بھی ایمان و یقین نہ آیا اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے آجانے کے بعد بھی یہ راہ راست پر نہ آئے تو اب کس بات کو مانیں گے؟ - مسند کی ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج والی رات جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ گویا اوپر کی طرف بجلی کی

کڑک اور کھڑکھڑاہٹ ہو رہی ہے۔ میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس پہنچا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں جتنے اونچے تھے جن میں سانپ پھر رہے تھے جو باہر سے ہی نظر آتے تھے، میں نے حضرت جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ سودخور ہیں، جب میں وہاں سے اترنے لگا تو آسمان اول پر آ کر میں نے دیکھا، نیچے کی جانب دھواں، غبار اور شور و غل ہے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا یہ شیاطین ہیں جو اپنی خرستہوں اور ودھینگا مشتیوں سے لوگوں کی آنکھوں پر پردے ڈال رہے ہیں کہ وہ آسمان و زمین کی بادشاہت کی چیزوں میں غور و فکر نہ کر سکیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ بڑے عجائبات دیکھتے۔ اس کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان کی بہت سی روایات منکر ہیں۔

میری نشانیاں اور تعلیم گمراہوں کے لیے بے سود ہیں: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۶) جس پر گمراہی لکھ دی گئی ہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، وہ چاہے ساری نشانیاں دیکھ لے لیکن بے سود اللہ کا ارادہ جس کے لیے فتنے کا ہو تو اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ میرا حکم تو یہی ہے کہ آسمان و زمین کی میری بے شمار نشانیوں پر غور کرو لیکن یہ ظاہر ہے کہ آیات اور ڈراوے بے ایمانوں کے لیے سود مند نہیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۷﴾

تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا قائم ہونا کب ہے؟ تو جواب دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار کے پاس ہی ہے، وہی اسے اس کے مقررہ وقت پر ظاہر کر دے گا، وہ تو زمین و آسمان میں گراں ہو رہی ہے وہ تمہارے پاس اچانک ہی آجائے گی، اس طرح تجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ کیا تو اس سے واقف ہے صاف کہہ دے کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○

قیامت کب اور کس وقت؟ ☆ ☆ (آیت: ۱۸۷) یہ دریافت کرنے والے قریشی بھی تھے اور یہودی بھی لیکن چونکہ یہ آیت کی ہے اسلئے ٹھیک یہی ہے کہ قریشیوں کا سوال تھا چونکہ وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے اس لیے اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے کہ اگر سچے ہو تو اس کا ٹھیک وقت بتا دو، ادھر بے ایمان اس کی جلدی مچا رہے ہیں، ادھر ایماندار اسے حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں، بات یہ ہے کہ جنہیں اس میں بھی شک ہے دور دراز کی گمراہی میں تو وہی ہیں۔ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت واقع کب ہوگی؟ جواب سکھایا گیا کہ اس کے صحیح وقت کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں، وہی اس کے صحیح وقت سے واقف ہے، بجز اس کے کسی کو اس کے واقع ہونے کا وقت معلوم نہیں، اس کا علم زمین و آسمان پر بھی بھاری ہے، ان کی رہنے والی ساری مخلوق اس علم سے خالی ہے، وہ جب آئے گی سب پر ایک ہی وقت واقع ہوگی، سب کو ضرر پہنچے گا، آسمان پھٹ جائے گا ستارے جھڑ جائیں گے، سورج بے نور ہو جائے گا، پہاڑ اڑنے لگیں گے، اسی لیے وہ ساری مخلوق پر گراں گذر رہی ہے، اس کے واقع ہونے کے صحیح وقت کا علم ساری مخلوق پر بھاری ہے، زمین و آسمان والے سب اس سے عاجز اور بے خبر ہیں، وہ تو اچانک سب کی بے خبری میں ہی آئے گی، کوئی بزرگ سے بزرگ فرشتہ، کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر بھی اس کے آنے کے وقت کا عالم نہیں، وہ تو سب کی بے خبری میں ہی آجائے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں دنیا کے تمام کام حسب دستور ہو رہے ہوں گے جانوروں والے اپنے جانوروں کے پانی پینے والے حوض درست کر رہے ہوں گے تجارت والے ناپ تول میں مشغول ہوں گے، قیامت آجائے گی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا، اسے دیکھتے ہی سب لوگ ایمان قبول کر لیں گے، لیکن اس وقت کا ایمان ان کے لیے بے سود ہوگا، جو اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں اور جنہوں نے اس سے پہلے نیکیاں نہ کی ہوں۔ قیامت اس طرح دفعتاً آجائے گی کہ ایک شخص کپڑا پھیلائے دوسرے کو دکھا رہا ہوگا اور دوسرا دیکھ رہا ہوگا، بھاؤ تاؤ ہو رہا ہوگا کہ قیامت واقع ہو جائے گی، نہ یہ خرید و فروخت کر سکیں گے، نہ کپڑے کی تہہ کر سکیں گے، کوئی دودھ دودھ کر رہا ہوگا، پنی نہ سکے گا کہ قیامت آجائے گی، کوئی حوض درست کر رہا ہوگا، ابھی جانوروں کو پانی نہ پلا چکا ہوگا کہ قیامت آجائے گی، کوئی لقمہ اٹھائے ہوئے ہوگا، ابھی منہ میں نہ ڈالا ہوگا کہ قیامت آجائے گی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے، آدمی دودھ کا کئورا (برتن) اٹھا کر پینا چاہتا ہوگا، ابھی منہ سے نہ لگا پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی، کپڑے کے خریدار بھی سودا نہ کر چکے ہوں گے کہ قیامت آجائے گی، حوض والے بھی لیپا پوتی کر رہے ہوں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ تجھ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تو ان کا سچا رفیق ہے، یہ تیرے کپے دوست ہیں، اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ تجھے اس کا حال معلوم ہے، حالانکہ کسی مقرب فرشتے یا نبی یا رسول کو اس کا علم ہرگز نہیں۔ تشریحیوں نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور ہم تو آپ کے قرا بندگان ہیں، ہمیں تو بتانا دیکھتے کہ قیامت کب اور کس دن کس سال آئے گی؟ اس طرح پوچھا کہ گویا آپ کو معلوم ہے، حالانکہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے جیسے فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے یہی معنی زیادہ ترجیح والے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی جب اعرابی کا روپ دھار کر مسائل کی شکل میں آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے صاف جواب دیا کہ اس کا علم نہ مجھے ہے نہ تجھے، اس سے پہلے کے سوالات آپ بتا چکے تھے، اس سوال کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر کے پھر سورہ لقمان کی آخری آیت پڑھی کہ ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یعنی علم قیامت، بارش کا آنا، مادہ کے پیٹ کے بچے کا حال، کل کے حالات، موت کی جگہ، ہاں جب انہوں نے اس کی علامتیں پوچھیں تو حضور نے بتا دیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا، جبکہ جبرئیل آپ کے ہر جواب پر یہی فرماتے جاتے تھے کہ آپ نے سچ فرمایا، ان کے چلے جانے کے بعد صحابہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ حضورؐ یہ کون صاحب تھے؟ آپ نے فرمایا جبرئیل تھے، تمہیں دین سکھانے آئے تھے جب کبھی وہ میرے پاس جس شکل میں بھی آئے، میں نے انہیں پہچان لیا، لیکن اس مرتبہ تو میں خود اب تک نہ پہچان سکا تھا۔ (الحمد للہ میں نے اس کے تمام طریقے کل سندوں کے ساتھ پوری بحث کر کے بخاری شریف کی شرح کے اول میں ہی ذکر کر دیئے ہیں) ایک اعرابی نے آ کر با آواز بلند آپ کا نام لے کر آپ کو پکارا، آپ نے اسی طرح جواب دیا، اس نے کہا، قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا، وہ آنے والی تو قطعاً ہے، تو بتا، تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ روزے نماز تو میرے پاس زیادہ نہیں البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے اپنے دل کو لبریز پاتا ہوں، آپ نے فرمایا، انسان اسی کے ہمراہ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہو، مومن اس حدیث کو سن کر بہت ہی خوش ہوئے کہ اس قدر خوشی انہیں اور کسی چیز پر نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ سے ایسا سوال کرے جس کی ضرورت نہ ہو تو آپ اسے وہ بات بتاتے جو اس سے کہیں زیادہ مفید ہو، اسی لئے اس سائل کو بھی فرمایا کہ وقت کا علم کیا فائدہ دے گا؟ ہو سکے تو تیاری کر لو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اعرابی لوگ حضورؐ سے جب کبھی قیامت کے بارے میں سوال کرتے تو آپ جو ان میں سب سے کم عمر ہوتا،

اسے دیکھ کر فرماتے کہ اگر یہ اپنی طبعی عمر تک پہنچا تو اس کے بڑھاپے تک ہی تم اپنی قیامت کو پا لو گے اس سے مراد ان کی موت ہے جو آخرت کے برزخ میں پہنچا دیتی ہے۔ بعض روایات میں ان کے اس قسم کے سوال پر آنحضرتؐ کا علی الاطلاق یہی فرمانا بھی مروی ہے کہ اس نوعمر کے بڑھاپے تک قیامت آ جائے گی یہ اطلاق بھی اسی تقلید پر مجہول ہو گا یعنی مراد اس سے ان لوگوں کی موت کا وقت ہے وفات سے ایک ماہ قبل آپؐ نے فرمایا تم مجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہو اس کے صحیح وقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر جتنے تنفس ہیں ان میں سے ایک بھی سو سال تک باقی نہ رہے گا (مسلم) مطلب اس سے یہ ہے کہ سو سال تک اس زمانے کے موجود لوگوں سے یہ دنیا خالی ہو جائے گی۔

آپ فرماتے ہیں معراج والی شب میری ملاقات حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی وہاں قیامت کے وقت کا ذکر چلا تو حضرت ابراہیمؑ کی طرف سب نے بات کو جھکا دیا آپ نے جواب دیا کہ مجھے تو اس کا علم نہیں سب حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے یہی جواب وہاں سے ملا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا اس کے واقع ہونے کا وقت تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہاں مجھ سے میرے رب نے فرما رکھا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی وہ مجھے دیکھ کر سیسے کی طرح پھٹنے لگے گا آخر اللہ اسے میرے ہاتھوں ہلاک کرے گا یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے نیچے ایک کا فر چھپا ہوا ہے آ اور اسے قتل کر ڈال۔ جب اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا تب لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹیں گے اس وقت یا جوج ماجوج نکلیں گے جو کودتے پھلانگتے چاروں طرف پھیل جائیں گے جہاں سے گذریں گے تباہی پھیلا دیں گے جس پانی سے گذریں گے سب پی جائیں گے آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے میں اللہ سے دعا کروں گا اللہ تعالیٰ سب کو ہلاک کر دے گا ان کی لاشوں کی سزا نہ پھیلے گی جس سے لوگ تنگ آ جائیں گے اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال آئے گی۔ پھر تو پہاڑ اڑنے لگیں گے اور زمین سکڑنے لگے گی جب یہ سب کچھ ظاہر ہوگا اس وقت قیامت ایسی قریب ہو گی جیسی پورے دن والی حاملہ عورت کے بچہ جننے کا زمانہ قریب ہوتا ہے کہ گھر کے لوگ ہوشیار رہتے ہیں کہ نہ جانے دن کو پیدا ہو جائے یا رات کو۔ (ابن ماجہ مسند وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم کسی رسول کو بھی نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کی علامات بیان فرماتے ہیں نہ کہ مقررہ وقت اس لئے کہ آپ احکام رسول اللہ ﷺ کے جاری کرنے اور دجال کو قتل کرنے اور اپنی دعا کی برکت سے یا جوج ماجوج کو ہلاک کرنے کے لئے اس امت کے آخر زمانے میں نازل ہوں گے جس کا علم اللہ نے آپ کو دے دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے قیامت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا اس کا علم اللہ کے پاس ہی ہے سوائے اس کے اسے اور کوئی نہیں جانتا ہاں میں تمہیں اس کی شرطیں بتلاتا ہوں اس سے پہلے بڑے بڑے فتنے اور لڑائیاں ہوں گی لوگوں کے خون ایسے سفید ہو جائیں گے کہ گویا کوئی کسی کو جانتا پہچانتا ہی نہیں (مسند) آپ اس آیت کے اترنے سے پہلے بھی اکثر قیامت کا ذکر فرماتے رہا کرتے تھے۔ پس غور کر لو کہ یہ نبی اصلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین ہیں خاتم الانبیاء ہیں نبی الرحمہ ہیں نبی اللہ ہیں اللحمہ ہیں عاقب ہیں مقفی ہیں حاشر ہیں جن کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا جن کا فرمان ہے کہ میں اور قیامت اس طرح آئے ہیں اور آپ نے اپنی دونوں انگلیاں جوڑ کر بتائیں یعنی شہادت کی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی، لیکن باوجود اس کے قیامت کا علم آپ کو نہ تھا آپ سے جب سوال ہوا تو یہی حکم ملا جو اب دو کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ
 كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ
 السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۸

کہہ دے کہ میں تو اپنی جان کے بھی کسی فائدے نقصان کا اختیار نہیں رکھتا وہی ہو کر رہتا ہے جو اللہ چاہے اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ (اکٹھا) کر لیتا اور کوئی نقصان مجھے نہ پہنچاتا میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لائیں ○

نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ تمام کام اللہ کے سپرد کریں اور صاف کہہ دیں کہ غیب کی کسی بات کا مجھے علم نہیں، میں تو صرف وہ جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے معلوم کرادے۔ جیسے سورہ جن میں ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا، مجھے اگر غیب کی اطلاع ہوتی تو میں اپنے لئے بہت سی بھلائیاں سمیٹ لیتا۔ مجاہد سے مروی ہے کہ اگر مجھے اپنی موت کا علم ہوتا تو نیکیوں میں بھی سبقت لے جاتا، لیکن یہ قول غور طلب ہے کیونکہ حضور کے اعمال دائمی تھے جو نیکی ایک بار کرتے، پھر اسے معمول بنا لیتے، ساری زندگی اور زندگی کا ہر ایک دن بلکہ ہر ایک گھڑی ایک ہی طرح کی تھی، گویا کہ آپ کی نگاہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگی رہتی تھیں، زیادہ سے زیادہ یہ بات یوں ہو سکتی ہے کہ دوسروں کو میں ان کی موت کے وقت سے خبردار کر کے انہیں اعمال نیک کی رغبت دلاتا۔ واللہ اعلم۔

اس سے زیادہ اچھا قول اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا ہے کہ میں مال جمع کر لیتا، مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس چیز کے خریدنے میں نفع ہے، میں اسے خرید لیتا، جانتا کہ اس کی خریداری میں نقصان ہے نہ خریدتا خشک سالی کیلئے ترسالی میں ذخیرہ جمع کر لیتا، ازرائی کے وقت گرانی کے علم سے سودا جمع کر لیتا، کبھی کوئی برائی مجھے نہ پہنچتی کیونکہ میں علم غیب سے جان لیتا کہ یہ برائی ہے تو میں پہلے سے ہی اس سے جتن کر لیتا، لیکن میں علم غیب نہیں جانتا اس لئے فقیری بھی مجھ پر آتی ہے، تکلیف بھی ہوتی ہے، مجھ میں تم یہ وصف نہ مانو، سنبو مجھ میں وصف یہ ہے کہ میں برے لوگوں کو عذاب الہی سے ڈراتا ہوں، ایمانداروں کو جنت کی خوش خبری سنانا ہوں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَإِنَّمَا يَسْرُنَّ بِلِسَانِكَ هَمْنًا تَمْرِي زَبَانَ پْرَآ سَانَ كَر دِيَا هِي كَ تَوْبَر هِيْزَا رُو كُو خُو شَخْرِي سَادِي اُو رِيْ دُو كُو ذَرَادِي۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
 لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّهَا حَمَلٌ خَفِيًّا فَهَمَّتْ بِهِ فَلَمَّا
 أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنُكَوِّنَنَّ
 مِنْ الشُّكْرَيْنِ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَهُ شُرَكَاءَ
 فِيمَا أَتَاهُمَا فَتَعَلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۹۰﴾

اسی نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے، اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے سکون حاصل کرنے، جب مرد عورت سے ملا تو اسے ہلکا سا بوجھ رہ گیا جسے وہ لئے پھرتی رہی، پھر جب زیادہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت فرمائے گا تو ہم یقیناً تیرے شکر گزاروں میں

ہو جائیں گے ○ پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شائستہ اولاد بخشی تو وہ اللہ کی اس دین میں اس کے شریک ٹھہرانے لگے سوان کے اس شرک کرنے سے اللہ کی شان بہت ہی بلند ہے ○

ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۹-۱۹۰) تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت آدم علیہ السلام سے ہی پیدا کیا، انہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا، پھر ان دونوں سے نسل انسان جاری کی۔ جیسے فرمان ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ نَحْنُ لَوْ كُؤْمٌ فِيكُمْ انہی سے ان کی بیوی پیدا کیا ہے، پھر تمہارے کنبے اور قبیلے بنا دیئے تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے رہو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ذی عزت وہ ہے جو پرہیزگاری میں سب سے آگے ہے۔ سورہ نساہ کے شروع میں ہے اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے، انہی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا، پھر ان دونوں میں بیوی سے بہت سے مرد و عورت پھیلادیئے۔ یہاں فرماتا ہے کہ انہی سے ان کی بیوی کو بنایا تاکہ یہ آرام اٹھائیں چنانچہ ایک اور آیت میں ہے لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً لَوْ كُؤْمٌ فِيكُمْ اللہ کی ایک مہربانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں بنا دیں تاکہ تم ان سے سکون و آرام حاصل کرو اور اس نے تم میں باہم محبت و الفت پیدا کر دی، پس یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چاہت ہے جو میاں بیوی میں وہ پیدا کرتا ہے۔ اسی لئے جادوگروں کی برائی بیان کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا کہ وہ اپنی مکاریوں سے میاں بیوی میں جدائی ڈلوادیتے ہیں۔ عورت مرد کے ملاپ سے بحکم الہی عورت کو حمل ٹھہر جاتا ہے، جب تک وہ نطفہ خون اور لوٹھڑے کی شکل میں ہوتا ہے، ہلکا سا رہتا ہے، وہ برابر اپنے کام کاج میں آمدورفت میں لگی رہتی ہے، کوئی ایسی زیادہ تکلیف اور بار نہیں معلوم ہوتا اور اندر ہی اندر وہ برابر بڑھتا رہتا ہے، اسے تو یونہی کبھی کچھ ہم سا ہوتا ہے کہ شاید کچھ ہو، کچھ وقت یونہی گزر جانے کے بعد جو جھ معلوم ہونے لگتا ہے، حمل ظاہر ہو جاتا ہے، بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے، طبیعت تھکنے لگتی ہے، اب ماں باپ دونوں اللہ سے دعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہ ہمیں صحیح سالم بیٹا عطا فرمائے تو ہم شکر گذاری کریں گے، ڈر لگتا ہے کہ کہیں کچھ اور بات نہ ہو جائے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور صحیح سالم انسانی شکل و صورت کا بچہ عطا فرمایا تو اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ مفسرین نے اس جگہ بہت سے آثار و احادیث بیان کی ہیں جنہیں میں یہاں نقل کرتا ہوں اور ان میں جو بات ہے وہ بھی بیان کروں گا، پھر جو بات صحیح ہے، اسے بتاؤں گا ان شاء اللہ۔

مسند احمد میں ہے کہ جب حضرت حوا کو اولاد ہوئی تو ابلیس گھومنے لگا، ان کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، شیطان نے سکھایا کہ اب اس کا نام عبد الحارث رکھ دے تو یہ زندہ رہے گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور یہی ہوا اور اصل میں یہ شیطانی حرکت تھی اور اسی کا حکم تھا۔ امام ترمذی نے اسے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ میں کہتا ہوں اس حدیث میں کئی کمزوریاں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کے ایک راوی عمر بن ابراہیم مصری کی بابت امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ایسا نہیں کہ اس سے حجت پکڑی جائے گو امام ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔ لیکن ابن مردود نے اسے معمر سے اس نے اپنے باپ سے اس نے سمرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (واللہ اعلم) دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو کہ مرفوع نہیں۔

ابن جریر میں خود حضرت سمرہ بن جندب کا اپنا فرمان ہے کہ حضرت آدم نے اپنے لڑکے کا نام عبد الحارث رکھا۔ تیسرے اس آیت کی تفسیر اس کے راوی حضرت حسن سے اس کے علاوہ بھی مروی ہے، ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے، حضرت حسن فرماتے ہیں، حضرت آدم کا واقعہ نہیں بلکہ بعض مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔ اور روایت میں آپ کا یہ فرمان منقول ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ کا فعل بیان

ہوا ہے کہ اپنی اولادوں کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ یہ سب اسناد حضرت حسنؓ تک بالکل صحیح ہیں اور اس آیت کی جو کچھ تفسیر کی گئی ہے اس میں سب سے بہتر تفسیر یہی ہے۔ خیر مقصد یہ تھا کہ اتنا بڑا متقی اور پرہیزگار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث قول پیغمبرؐ روایت کرے پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے یہ بالکل ان ہونی بات ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ حضرت سرہؓ کا اپنا قول ہے۔ اس کے بعد یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ حضرت سرہؓ نے اسے اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہو جیسے کعب وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے اس کا بیان بھی سنئے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت حواؓ کے جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کا نام عبداللہ عبید اللہ وغیرہ رکھتی تھیں وہ بچے فوت ہو جاتے تھے پھر ان کے پاس اطمینس آیا اور کہا اگر تم کوئی اور نام رکھو تو تمہارے بچے زندہ رہیں گے چنانچہ ان دونوں نے یہی کیا جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام عبدالجارث رکھا اس کا بیان ان آیات میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے دو بچے اس سے پہلے مر چکے تھے اب حالت حمل میں شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارے پیٹ میں کیا ہے؟ ممکن ہے کوئی جانور ہی ہو، ممکن ہے صحیح سالم ہوگا زندہ رہے گا یہ بھی اس کے بہکاوے میں آگئے اور عبدالجارث نام رکھا اسی کا بیان ان آیات میں ہے۔

اور روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ حمل کے وقت یہ آیا اور انہیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا اب یا تو تم میری اطاعت کرو ورنہ میں اسے یہ کر ڈالوں گا وہ کر ڈالوں گا وغیرہ ہر چند ڈرایا مگر انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی اللہ کی شان وہ بچہ مردہ پیدا ہوا دوبارہ حمل ٹھہرا تو یہ ملعون پھر آن پہنچا اور اسی طرح خوف زدہ کرنے لگا اب بھی انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی چنانچہ یہ دوسرا بچہ بھی مردہ ہوا تیسرے حمل کے وقت یہ خبیث پھر آیا اس مرتبہ اولاد کی محبت میں آ کر انہوں نے اس کی بات مان لی اور اس کا نام عبدالجارث رکھا اسی کا بیان ان آیات میں ہے۔ ابن عباسؓ سے اس اثر کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے جیسے حضرت مجاہدؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ اور دوسرے طبقے میں سے قتادہؒ سدئیؒ وغیرہ اس طرح سلف سے خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اثر اہل کتاب سے لیا گیا ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اسے ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے پس ظاہر ہے کہ یہ اہل کتاب کے آثار سے ہے جن کی بابت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی ان کی روایات تین طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جن کی صحت ہمارے ہاں کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسرا وہ جن کی تکذیب کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہو۔ تیسرا وہ جس کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حضور ﷺ اس روایت کے بیان میں تو کوئی حرج نہیں لیکن تصدیق تکذیب جائز نہیں۔ میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ مروی ہے انہوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے۔ لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں جو حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کا اپنی اولاد کے معاملے میں اللہ کے ساتھ کرنے کا بیان ان آیات میں ہے نہ کہ حضرت آدم و حوا کا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اس شرک سے اور ان کے شریک ٹھہرانے سے بلند و بالا ہے۔ ان آیات میں یہ ذکر اور ان سے پہلے آدم و حوا کا ذکر مثل تمہید کے ہے کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپوں کا ذکر ہوا اور ان ہی کا شرک بیان ہوا ذکر جنس سے ذکر جنس کی طرف استطراد کے طور پر جیسے آیت **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ** میں ہے یعنی ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور انہیں شیطانوں پر انگارے برسائے والا بنایا اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں وہ چمکتے نہیں ان سے شیطانوں کو مار نہیں پڑتی۔ یہاں بھی اسطراد تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف ہے اس کی اور بھی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں موجود

ہیں - واللہ اعلم -

اَيْشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۱۹۱﴾
وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۲﴾

کیا یہ لوگ انہیں اللہ کا شریک مقرر کر رہے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں ○ اپنے پوجنے والوں کی مدد کی نہ تو انہیں طاقت ہے اور نہ ہی وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ○

انسان کا المیہ خود معبود سازی اور اللہ سے دوری ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۱-۱۹۲) جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں وہ سب اللہ کے ہی بنائے ہوئے ہیں وہی ان کا پالنے والا ہے وہ بالکل بے اختیار ہیں، کسی نفع نقصان کا انہیں اختیار نہیں، وہ اپنے پجاریوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ تو بل جل بھی نہیں سکتے، دیکھ اور سن بھی نہیں سکتے، ان بتوں سے تو ان کے پجاری ہی تو اتنا تندرست اور اچھے ہیں کہ ان کی آنکھیں بھی ہیں، کان بھی ہیں، یہ بے قوف تو انہیں پوجتے ہیں جنہوں نے ساری مخلوق میں سے ایک چیز کو بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو! ایک لطفی مثال سنو، تم جنہیں پکار رہے ہو، یہ سارے ہی جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو ان کی طاقت سے خارج ہے، بلکہ ان کی کمزوری تو یہاں تک ہے کہ کوئی مکھی ان کی کسی چیز کو چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس بھی نہیں کر سکتے، طلب کرنے والے اور جن سے طلب کی جا رہی ہے، بہت ہی بودے ہیں۔ تعجب ہے کہ اتنے کمزوروں کی عبادت کی جاتی ہے جو اپنا حق بھی ایک مکھی سے نہیں لے سکتے، وہ تمہاری روزیوں اور مدد پر کیسے قادر ہوں گے؟

وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ
أَدْعَوْتُهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿۱۹۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ فادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿۱۹۴﴾ اللَّهُمَّ ارْجُلْ يَمْشُونَ بِهَا ۗ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ
بِهَا ۗ أَمْ لَهُمْ آعِينٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۗ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ
بِهَا ۗ قُلْ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا ۖ فَلَا تُنظِرُونَ ﴿۱۹۵﴾

بلکہ اگر تم انہیں سیدھی بات کی طرف بلاؤ تو وہ تو اس میں بھی تمہاری تابعداری نہیں کر سکتے، تمہارا انہیں بلانا اور چپ رہنا دونوں ہی برابر ہے ○ تم جنہیں بھی اللہ کے سوا پکار رہے ہو، وہ سب تم جیسے ہی اللہ کے غلام ہیں، اچھا اگر تم سچے ہو تو انہیں بلاؤ اور یہ تمہاری دعائیں قبول تو کر لیں؟ ○ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکتے ہوں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں ایسی کہ ان سے دیکھ سکتے ہیں یا ان کے ایسے کان ہیں جن سے سن لیتے ہیں؟ کہہ دے کہ اچھا تم اپنے سب شریکوں کو بلاؤ پھر میرے حق میں کرو فریب کرو اور مجھے مہلت دو ○

(آیت: ۱۹۳-۱۹۴) حضرت ظلیل الرحمن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم خود ہی گھڑتے اور بناتے ہو؟ وہ نہ تو اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں نہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ حضرت ظلیل اللہ علیہ السلام نے

انہیں توڑ توڑ کر ٹکڑے کر دیا لیکن ان سے یہ نہ ہوسکا کہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھ سے بچالیتے ہاتھ میں تبر لے کر سب کا چورا کر دیا اور ان معبودان باطل سے یہ بھی نہ ہوسکا کہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتے۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما یہی کام کرتے تھے کہ رات کے وقت چپکے سے جا کر مشرکین کے بت توڑ آتے اور جو لکڑی کے ہوتے انہیں توڑ کر بیوہ عورتوں کو دے دیتے کہ وہ اپنا ایندھن بنا لیں اور قوم کے بت پرست عبرت حاصل کریں، خود حضرت معاذ کا باپ عمرو بن جموح بھی بت پرست تھا یہ دونوں نوجوان دوست وہاں بھی پہنچتے اور اس بت کو پلیدی سے آلودہ کر آتے جب یہ آتا تو اپنے معبود کو اس حالت میں دیکھ کر بہت سچ و تاب کھاتا پھر دھوتا پھر اس پر خوشبو ملتا ایک مرتبہ اس نے اس کے پاس تلوار رکھ دی اور کہا دیکھ آج تیرا دشمن آئے تو اس تلوار سے اس کا کام تمام کر دینا یہ اس رات بھی پہنچے اور اس کی درگت کر کے پاخانے سے لپ کر کے چلے آئے مگر تاہم اسے اثر نہ ہوا صبح کو اسی طرح اس نے اسے دھو دھا کر ٹھیک ٹھاک کر کے خوشبو لگا کر بٹھا کر ڈنڈوت کی یعنی (انٹھک بیٹھک) کی۔ جب ان دونوں نے دیکھا کہ کسی طرح یہ نہیں مانتا تو ایک رات اس بت کو اٹھالائے اور ایک کتے کا پلا جو مردار پڑا تھا اس کے گلے میں باندھ دیا اور محلے کے ایک کنویں میں ڈال دیا صبح اس نے اپنے بت کو نہ پا کر تلاش کیا تو کنویں میں اسے نظر آیا کہ کتے کے مردہ بچے کے ساتھ پڑا ہوا ہے اب اسے بت سے اور بت پرستی سے نفرت ہو گئی اور اس نے کہا

تالله لو كنت الها مستندن لم تك والكلب جميعا في قرن

یعنی اگر تو سچ معبود ہوتا تو کنویں میں کتے کے پلے کے ساتھ پڑا ہوا نہ ہوتا۔ پھر نبی کریم ﷺ ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے پھر تو اسلام میں پورے کپے ہو گئے احد کی لڑائی میں شریک ہوئے اور کفار کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاه و جعل جنت الفردوس ماؤ انہیں اگر بلایا جائے تو یہ قبول کرنا تو درکنار سن بھی نہیں سکتے محض پتھر ہیں بے جان ہیں بے آنکھ اور بے کان ہیں جیسے کہ حضرت غلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد! آپ ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں نہ تجھے کوئی نفع پہنچا سکیں نہ تیرے کسی کام آسکیں انہیں پکارنا اور نہ پکارنا دونوں برابر ہیں یہ تو تم جیسے ہی بے بس اور اللہ کی مخلوق ہیں بتاؤ تو کبھی انہوں نے تمہاری فریاد ہی کی ہے؟ یا کبھی تمہاری دعا کا جواب دیا ہے؟ حقیقت میں ان سے افضل و اعلیٰ تو تم خود ہو تم سنتے دیکھتے چلتے پھرتے بولتے چالتے ہو یہ تو اتنا بھی نہیں کر سکتے اچھا تم ان سے میرا کچھ بگاڑنے کی درخواست کر ڈ میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر ان سے ہو سکے تو بلا تا مل اپنی پوری طاقت سے جو میرا بگاڑ سکتے ہوں بگاڑ لیں۔

اِنَّ وَلِيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلٰى
الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ
وَلَا اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا
وَتَرْهَمُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

میرا کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے وہ اپنے نیک بندوں کی حمایت کرتا رہتا ہے ○ اور اس اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری حمایت کی کوئی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ تو خود اپنی جانوں کی بھی مدد نہیں کر سکتے ○ اور اگر تم انہیں راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنتے گو وہ تجھے بظاہر تیری طرف

دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، لیکن دراصل دیکھتے بھالتے نہیں ○

(آیت: ۱۹۶-۱۹۸) سنو میں تو اللہ کو اپنا حمایتی اور مددگار سمجھتا ہوں وہی میرا بچانے والا ہے اور وہ مجھے کافی دانی ہے اس پر میرا بھروسہ ہے اسی سے میرا گواہ ہے، میں ہی نہیں ہر نیک بندہ یہی کرتا ہے اور وہ بھی اپنے تمام سچے غلاموں کی نگہبانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا، میرے بعد بھی ان سب کا نگران اور محافظ وہی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام سے آپ کی قوم نے کہا کہ ہمارا تو خیال ہے کہ تو جو ہمارے معبودوں پر ایمان نہیں رکھتا، اسی سبب سے انہوں نے تجھے ان مشکلات میں ڈال دیا ہے، اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: 'سنو تم کو اور اللہ کو گواہ کر کے علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے تمام معبودوں سے بری اور بیزار اور ان سب کا دشمن ہوں، تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو تو بگاڑ لو، تمہیں بھی قسم ہے جو ذرا سی کوتاہی کرو، میرا توکل اللہ کی ذات پر ہے، تمام جانداروں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اور میرا رب ہی سچی راہ پر ہے۔ حضرت خلیل الرحمن علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا کہ تم اور تمہارے بزرگ جن کی تم پرستش کرتے ہو، میں ان سب کا دشمن ہوں اور وہ مجھ سے دور ہیں سوائے اس رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہبری کی، آپ نے اپنے والد اور قوم سے بھی یہی فرمایا کہ میں تمہارے معبودان باطل سے بری اور بیزار ہوں، سوائے اس سچے معبود کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی میری رہبری کرے گا۔ ہم نے اسی کلمے کو اس کی نسل میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ دیا تاکہ لوگ اپنے باطل خیالات سے ہٹ جائیں۔ پہلے تو غائبانہ فرمایا تھا، پھر اور تاکید کے طور پر خطاب کر کے فرماتا ہے کہ جن جن کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو، وہ تمہاری امداد نہیں کر سکتے اور نہ وہ خود اپنا ہی کوئی نفع کر سکتے ہیں، یہ تو سن ہی نہیں سکتے، تجھے تو یہ آنکھوں والے دکھائی دیتے ہیں، لیکن دراصل ان کی اصلی آنکھیں ہی نہیں کہ کسی کو دیکھ سکیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر تم انہیں پکارو تو وہ سنتے نہیں، چونکہ وہ تصاویر اور بت ہیں، ان کی مصنوعی آنکھیں ہیں، محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں، لیکن دراصل دیکھ نہیں رہے، چونکہ وہ پتھر بصورت انسان ہیں، اس لئے ضمیر بھی ذی العقول کی لائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے، یہی امام ابن جریر اور قتادہ کا قول ہے۔

خَذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝
وَأَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ إِنَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

درگزر کرنے کا شیوہ اختیار کر اور نیکیوں کا حکم کرتا رہ اور نادانوں سے چشم پوشی کر ○ اور اگر کوئی شیطانی وسوسہ آجائے تو اللہ کی پناہ طلب کر لیا کر، بیشک وہ خوب سننے جاننے والا ہے ○

اچھے اعمال کی نشاندہی: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۹-۲۰۰) ابن عباس فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان سے وہ مال لے جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو اور جسے یہ بخوشی اللہ کی راہ میں پیش کریں، پہلے چونکہ زکوٰۃ کے احکام تفصیل کے ساتھ نہیں اترے تھے اس لیے یہی حکم تھا۔ یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرو۔ یہ بھی مطلب ہے کہ مشرکین سے بدلہ نہ لو، دس سال تک تو یہی حکم رہا کہ درگزر کرتے رہو، پھر جہاد کے احکام اترے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ لوگوں کے اچھے اخلاق اور عمدہ عادات جو ظاہر ہوں، انہی پر نظر رکھو، ان کے باطن نہ ٹٹولو، تجسس نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس

آیت کو سن کر حضرت جبرئیل سے آپ نے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگزر کر، جو تجھے نہ دے تو اس کے ساتھ بھی احسان و سلوک کر، جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس کے ساتھ بھی تعلق رکھ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا اور آپ کا ہاتھ تھام کر درخواست کی کہ مجھے افضل اعمال بتائیے، آپ نے فرمایا جو تجھ سے توڑے تو اس سے بھی جوڑ، جو تجھ سے روکے تو اسے دے، جو تجھ پر ظلم کرے تو اس پر بھی رحم کر۔ اوپر والی روایت مرسل اور یہ روایت ضعیف ہے۔ عرف سے مراد نیک ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھائی حرب بن قیس کے ہاں آ کے ٹھہرا، حضرت حرضہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاص درباریوں میں تھے، آپ کے درباری اور زدیکی کا شرف انہیں حاصل تھا جو قرآن کریم کے ماہر تھے خواہ وہ جوان ہوں خواہ بوڑھے، اس نے درخواست کی کہ مجھے آپ امیر المؤمنین عمر کے دربار میں حاضری کی اجازت دلو اور دیکھئے، آپ نے وہاں جا کر ان کے لیے اجازت چاہی، امیر المؤمنین نے اجازت دے دی، یہ جانتے ہی کہنے لگے، اے ابن خطاب تو ہمیں بکثرت مال بھی نہیں دیتا اور ہم میں عدل کے ساتھ فیصلے بھی نہیں کرتا، آپ کو یہ کلام بھی برا لگا، ممکن تھا کہ اسے اس کی اس تہمت پر سزا دیتے، لیکن اسی وقت حضرت حرنے کہا، اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ غفور و درگزر کی عادت رکھ، اچھائیوں کا حکم کرتا رہ اور جاہلوں سے چشم پوشی کر، امیر المؤمنین یقین کیجئے یہ زجاجل ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کا امیر المؤمنین کے کان میں پڑنا تھا کہ آپ کا تمام رنج و غم و غصہ و غضب جاتا رہا، آپ کی یہ تو عادت ہی تھی کہ ادھر اللہ کا نام سنا، ادھر گردن جھکا دی۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالم بن عبد اللہ رحمہ اللہ کا ذکر ہے کہ آپ نے شامیوں کے ایک قافلے کو دیکھا، جس میں گھنٹی تھی تو آپ نے فرمایا، یہ گھنٹیاں منع ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم اس مسئلے کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں، بڑی بڑی گھنٹیوں سے منع ہے، اس جیسی چھوٹی گھنٹیوں میں کیا حرج ہے؟ حضرت سالم نے آیت کا آخری جملہ پڑھ کر ان جاہلوں سے چشم پوشی کر لی۔ عرف، معروف، عارف، عارف، عارف، سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس میں ہر اچھی بات کی اطاعت کا ذکر آ گیا۔ پھر حکم دیا کہ جاہلوں سے منہ پھیر لیا کر۔ گو یہ حکم آپ کو ہے لیکن دراصل تمام بندوں کو یہی حکم ہے، مطلب یہ ہے کہ تکلیف برداشت کر لیا کر، تکلیف دہی کا خیال بھی نہ کرو، یہ معنی نہیں کہ دین حق کے معاملے میں جو جہالت سے پیش آئے، تم سے کچھ نہ کہو، مسلمانوں سے جو کفر پر جم کر مقابلہ کرنے، تم اسے کچھ نہ کہنا، یہ مطلب اس جملے کا نہیں۔ یہ وہ پاکیزہ اخلاق ہیں جن کا مجسم عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ کسی نے اسی مضمون کو اپنے شعروں میں باندھا ہے۔

خذ العفو وامر بعرف کما امرت واعرض عن الجاهلین

ولن فی الکلام بکل الانام . فمستحسن من ذوی الجاهلین

یعنی درگزر کیا کر، بھلی بات بتا دیا کر، جیسے کہ تجھے حکم ہوا ہے، نادانوں سے ہٹ جایا کر، ہر ایک سے نرم کلامی سے پیش آیا کر، یاد رکھ کہ عزت و جاہ پر پہنچ کر نرم اور خوش اخلاق رہنا ہی کمال ہے۔ بعض مسلمانوں کا مقولہ ہے کہ لوگ دو طرح کے ہیں، ایک تو بھلے اور حسن، جو احسان و سلوک کریں، قبول کر لے اور ان کے سر نہ ہو جا کہ ان کی وسعت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈال دے۔ دوسرے بد اور ظالم انہیں نیکی اور بھلائی کا حکم دے، پھر بھی اگر وہ اپنی جہالت پر اور بد کرداری پر اڑے رہیں اور تیرے سامنے کسرخی اختیار کریں تو تو ان سے روگردانی کر لے، یہی چیز اسے اس کی برائی سے ہٹا دے گی۔ جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ لِحُجَّتِهَا، بہترین طریق سے دفع کر دو تو تمہارے دشمن بھی تمہارے دوست بن جائیں گے، لیکن یہ انہی سے ہو سکتا ہے جو صابر ہوں اور نصیبوں والے ہوں۔ اس کے بعد شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا

حکم ہوا اس لیے کہ وہ سخت ترین دشمن ہے اور ہے بھی احسان فراموش - انسانی دشمنوں سے بچاؤ تو غفور و درگزر اور سلوک و احسان سے ہو جاتا ہے، لیکن اس ملعون سے سوائے اللہ کی پناہ کے اور کوئی بچاؤ نہیں۔ یہ تینوں حکم جو سورہ اعراف کی ان تینوں آیات میں ہیں یہی سورہ مومنوں میں بھی ہیں اور سورہ حم السجدہ میں بھی ہیں۔ شیطان تو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے دشمن انسان ہے یہ جب غصہ دلائے، جوش میں لائے، فرمان الہی کے خلاف ابھارے جاہلوں سے بدلہ لینے پر آمادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیا کر وہ جاہلوں کی جہالت کو بھی جانتا ہے اور تیرے بچاؤ کی ترکیبوں کو بھی جانتا ہے ساری مخلوق کا اسے علم ہے اور وہ تمام کاموں سے خبردار ہے۔ کہتے ہیں کہ جب اگلے تین حکم سے تو کہا اے اللہ ان کاموں کے کرنے کے وقت تو شیطان ان کے خلاف بری طرح آمادہ کر دے گا اور نفس تو جوش انتقام سے پر ہوتا ہے کہیں ان کی خلاف ورزی نہ ہو جائے تو یہ پھجلی آیت نازل ہوئی کہ ایسا کرنے سے شیطانی وسوسہ دفع ہو جائے گا اور تم اخلاق کریمانہ پر عامل ہو جاؤ گے۔ میں نے اپنی اسی تفسیر کے شروع میں ہی اعوذ کی بحث میں اس حدیث کو بھی وارد کیا ہے کہ دو شخص لڑ بھگڑ رہے تھے جن میں سے ایک سخت غضبناک تھا حضورؐ نے فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ یاد ہے اگر یہ کہہ لے تو ابھی یہ بات جاتی رہے وہ کلمہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) ہے۔ کسی نے اس میں بھی ذکر کیا تو اس نے کہا کہ کیا میں کوئی دیوانہ ہو گیا ہوں؟ نزغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں وہ خواہ غصے سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔ فرمان قرآن ہے کہ میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ وہ بھلی بات زبان سے نکالا کریں شیطان ان میں فساد کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے۔ عیاذ کے معنی التجا اور استناد کے ہیں اور ملاذ کا لفظ طلب خیر کے لیے بولا جاتا ہے جیسے حسن بن ہانی کا شعر ہے۔

یامن الودبہ فیما اوملہ ومن اعوذ بہ مما احاذرہ
لا یجبر الناس عظاما انت کاسرہ ولا یھیضون عظاما انت حابرہ

یعنی اے اللہ تو میری آرزوؤں کا مرکز ہے اور میرے بچاؤ اور پناہ کا مسکن ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس بڑی کوتاہی توڑنا چاہے، اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے تو جوڑنا چاہے، اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ باقی احادیث جو تعوذ (اعوذ باللہ) کے متعلق تھیں، وہ ہم اپنی اس تفسیر کے شروع میں ہی لکھ آئے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوا
فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ۝ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْعِصْيِ ثُمَّ لَا يَقْضِرُونَ ۝

پریزگار تو شیطانی دوسے کے آتے ہی چونکا ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی دیکھ بھال کرنے لگتے ہیں ○ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں انہیں تو شیاطین گرامی ہیں مھینے لے جاتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○

جو اللہ سے ڈرتا ہے شیطان اس سے ڈرتا ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰۱-۲۰۲) طائف کی دوسری قرأت ”طیف“ ہے یہ دونوں مشہور قرأتیں ہیں دونوں کے معنی ایک ہیں، بعض نے لفظی تعریف بھی کی ہے۔ فرمان ہے کہ وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں، جنہیں اللہ کا ڈر ہے جو نیکیوں کے عامل اور برائیوں سے رکنے والے ہیں انہیں جب کبھی غصہ آجائے یا شیطان ان پر اپنا کوئی داؤ چلانا چاہے یا ان کے دل میں کسی گناہ کی رغبت ڈالے اور ان سے کوئی گناہ کرانا چاہے تو اللہ کے عذاب سے بچنے میں جو ثواب ہے یہ اسے بھی یاد کر لیتے ہیں رب کے وعدے و وعید کی یاد کرتے ہیں اور فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں توبہ کر لیتے ہیں اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شیطانی شر سے پناہ

مانگتے لگتے ہیں اور اسی وقت اللہ کی جناب میں رجوع کرنے لگتے ہیں اور استقامت کے ساتھ صحت پر جم جاتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی جسے مرگی کا دورہ پڑا کرتا تھا اس نے درخواست کی کہ آپ میرے لیے دعا کیجئے، آپ نے فرمایا، اگر تم چاہو تو میں دعا کروں اور اللہ تمہیں شفا بخشنے اور اگر چاہو تو صبر کرو تو اللہ تم سے حساب نہ لے گا، اس نے کہا کہ حضور میں صبر کرتی ہوں کہ میرا حساب معاف ہو جائے۔ سنن میں بھی یہ حدیث ہے کہ اس عورت نے کہا تھا کہ میں گر پڑتی ہوں اور بیہوشی کی حالت میں میرا کپڑا کھل جاتا ہے جس سے بے پردگی ہوتی ہے، اللہ ہے میری شفا کی درخواست کیجئے، آپ نے فرمایا تم ان دونوں باتوں میں سے ایک کو پسند کر لو یا تو میں دعا کروں اور تمہیں شفا ہو جائے یا تم صبر کرو اور تمہیں جنت ملے، اس نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں کہ مجھے جنت ملے، لیکن اتنی دعا تو ضرور کیجئے کہ میں بے پردہ نہ ہو جایا کروں، آپ نے دعا کی چنانچہ ان کا کپڑا کیسی ہی وہ تملتا تھا اپنی جگہ سے نہ ہٹتا تھا۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں عمرو بن جامع کے حالات میں نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عابد مسجد میں رہا کرتا تھا اور اللہ کی عبادت کا بہت مشتاق تھا، ایک عورت نے اس پر ڈور سے ڈالنے شروع کیے، یہاں تک کہ اسے بہکا لیا قریب تھا کہ وہ اس کے ساتھ کوٹھڑی میں چلا جائے اچانک اسے یہ آیت اِذَا مَسَّهُمُ الْخِطَاءُ يَادْأَىٰ اور غش لھا کر گر پڑا بہت دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا اس نے پھر اس آیت کو یاد کیا اور اس قدر اللہ کا خوف اس کے دل میں سمایا کہ اس کی جان نکل گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے والد سے ہمدردی اور غم خواری کی، چونکہ انہیں رات ہی کو دفن کر دیا گیا تھا، آپ ان کی قبر پر گئے، آپ کے ساتھ بہت سے آدمی تھے، آپ نے وہاں جا کر ان کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی اور اسے آواز دے کر فرمایا، اے نوجوان! ولمن خاف مقام ربہ جنتان جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھے، اس کے لیے دو دو جنتیں ہیں، اسی وقت قبر کے اندر سے آواز آئی کہ مجھے میرے رب عزوجل نے وہ دونوں مرتبے دو دو عطا فرمادیئے، یہ تو تھا حال اللہ والوں کا اور پرہیزگاروں کا کہ وہ شیطانی جھکوں سے بچ جاتے ہیں، اس کے نرن فریب سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اب ان کا حال بیان ہو رہا ہے جو خود شیطان کے بھائی بنے ہوئے ہیں، جیسے فضول خرچ لوگوں کو قرآن نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے، ایسے لوگ اس کی باتیں سنتے ہیں مانتے ہیں اور ان پر ہی عمل کرتے ہیں، شیاطین ان کے سامنے برائیاں اچھے رنگ میں پیش کرتے ہیں، ان پر وہ آسان ہو جاتی ہیں اور یہ پوری مشغولیت کے ساتھ ان میں پھنس جاتے ہیں، دن بدن اپنی بدکاری میں بڑھتے جاتے ہیں، جہالت اور نادانی کی حد کر دیتے ہیں، نہ شیطان ان کے بہکانے میں کوتاہی برتتے ہیں، نہ یہ برائیاں کرنے میں کمی کرتے ہیں، یہ ان کے دلوں میں دوسے ڈالتے رہتے ہیں اور وہ ان دوسوں میں پھنستے رہتے ہیں، یہ انہیں بھڑکاتے اور گناہوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں، وہ برے عمل کیے جاتے ہیں اور برائیوں پر مداومت اور لذت کے ساتھ جتے رہتے ہیں۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بَايَةٌ قَالُوا الْوَالُوْا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا
 أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهَدَىٰ
 وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۷﴾

ان کے سامنے جب تو کوئی خاص معجزہ پیش نہیں کرتا تو وہ کہتے ہیں کہ تو اسے بھی اپنی طرف سے کیوں نہ چھانت لایا؟ تو جواب دے کہ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری جانب میرے پروردگار کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ قرآن ان بصارتوں والا تمہارے رب کی طرف کا موجود ہے جو ایمانداروں کے لئے سراسر ہدایت

سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۰۳) یہ لوگ کوئی معجزہ مانگتے اور آپ اسے پیش نہ کرتے تو کہتے کہ نبی ہوتا تو ایسا کر لیتا، بنا لیتا، اللہ سے مانگ لیتا، اپنے آپ گھڑ لیتا، آسمان سے گھیٹ لاتا، الغرض معجزہ طلب کرتے اور وہ طلب بھی سرکشی اور عناد کے ساتھ ہوتی۔ جیسے فرمان قرآن ہے: **إِنْ نَشَاءُ نُنزِلُ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً أَلْحَ أَكْرَهُمْ** چاہتے تو کوئی نشان ان پر آسمان سے اتارے جس سے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ وہ لوگ حضورؐ سے کہتے رہتے تھے کہ جو ہم مانگتے ہیں وہ معجزہ اپنے رب سے طلب کر کے ہمیں ضرور دکھا دیجئے، تو حکم دیا کہ ان سے فرما دیجئے کہ میں تو اللہ کی باتیں ماننے والا اور ان پر عمل کرنے والا وحی الہی کا تابع ہوں، میں اس کی جناب میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا، آگے نہیں بڑھ سکتا، جو حکم دے صرف اسے بجالاتا ہوں، اگر کوئی معجزہ وہ عطا فرمائے، دکھا دوں، جو وہ ظاہر نہ فرمائے اسے میں نہیں لاسکتا، میرے بس میں کچھ نہیں، میں اس سے معجزہ طلب نہیں کیا کرتا، مجھ میں اتنی جرات نہیں ہاں اس کی اجازت پالیتا ہوں تو اس سے دعا کرتا ہوں، وہ حکمتوں والا اور علم والا ہے، میرے پاس تو میرے رب کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو سب سے زیادہ واضح دلیل سب سے زیادہ سچی حجت اور سب سے زیادہ روشن برہان ہے، جو حکمت ہدایت اور رحمت سے پر ہے، اگر دل میں ایمان ہے تو اس اچھے سچے عمدہ اور اعلیٰ معجزے کے بعد دوسرے معجزے کی طلب باقی نہیں رہتی۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝۵

جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو تم اس کی طرف ہی کان لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی: ☆ ☆ (آیت: ۲۰۴) چونکہ اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے بصیرت و بصارت ہے اور ساتھ ہی ہدایت اور رحمت ہے اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل و علا حکم فرماتا ہے کہ اس کی عظمت و احترام کے طور پر اس کی تلاوت کے وقت کان لگا کر اسے سنو، ایسا نہ کرو جیسا کفار قریش نے کیا، وہ کہتے تھے **لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ** اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل مچا دو۔ اس کی اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے جبکہ فرض نماز میں امام با آواز بلند قرأت کرتا ہو۔ جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ امام اقتدا کئے جانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، جب وہ تکبیر کہے، تم تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے، تم خاموش رہو۔ اسی طرح سنن میں بھی یہ حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے امام مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور اپنی کتاب میں نہیں لائے (یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو خاموش رہنے کا حکم ہے، یہ صرف اس قرأت کے لئے ہے الحمد (سورۃ فاتحہ) کے سوا ہو۔ جیسے کہ طبرانی کبیر میں صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحة الكتاب** یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو، وہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھ لے، پس سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور قرأت کے وقت خاموشی کا حکم ہے واللہ اعلم۔ مترجم) اس آیت کے شان نزول کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ پہلے نماز پڑھتے ہوئے باتیں بھی کر لیا کرتے تھے تب یہ آیت اتری۔ اور دوسری آیت میں چپ رہنے کا حکم کیا گیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے ہم ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے، پس یہ آیت اتری، آپ نے ایک مرتبہ نماز میں لوگوں کو امام کے ساتھ ہی ساتھ پڑھتے ہوئے سن کر فارغ ہو کر فرمایا کہ تم اب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے، جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے (واضح رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس سے مراد امام کے با آواز بلند الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت مقتدی کا خاموش رہنا ہے نہ کہ پست آواز کی قرأت والی نماز میں اور

بلند آواز کی قرأت والی نماز میں الحمد سے خاموشی (مراد نہیں کیونکہ) امام کے پیچھے الحمد تو خود آپ بھی پڑھا کرتے تھے جیسے کہ ہزاء القراءۃ بخاری میں ہے انہ قرأ فی العصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بام القرآن و سورۃ یعنی آپ نے امام کے پیچھے عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ الحمد بھی پڑھی اور دوسری سورت بھی ملانی پس آپ کے مندرجہ بالا فرمان کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت سنے اور چپ رہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس انصاری نوجوان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ قرآن سے کچھ پڑھتے یہ بھی اسے پڑھتا پس یہ آیت اتری۔ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس نماز سے فارغ ہو کر پلٹے جس میں آپ نے با آواز بلند قرأت پڑھی تھی پھر پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن کی چھینٹا جھپٹی ہو رہی ہے؟ راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان نمازوں میں جن میں آپ اونچی آواز سے قرأت پڑھا کرتے تھے قرأت سے رک گئے جبکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا۔

امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں اور احواتم رازی اس کی تصحیح کرتے ہیں (مطلب اس حدیث کا بھی یہی ہے کہ امام جب پکار کر قرأت پڑھے اس وقت مقتدی سوائے الحمد کے کچھ نہ پڑھے کیونکہ ایسی ہی روایت ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ موطا امام مالک مسند احمد وغیرہ میں ہے جس میں ہے کہ جب آپ کے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا لا تفعلوا الا بفتحہ فانہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بھا یعنی ایسا نہ کیا کرو صرف سورہ فاتحہ پڑھو کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی پس لوگ اونچی آواز والی قرأت کی نماز میں جس قرأت سے رک گئے وہ الحمد کے علاوہ تھی کیونکہ اسی سے روکا تھا اسی سے صحابہ رک گئے الحمد تو پڑھنے کا حکم دیا تھا بلکہ ساتھ ہی فرما دیا تھا کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم زہری کا قول ہے کہ امام جب اونچی آواز سے قرأت پڑھے تو انہیں امام کی قرأت کافی ہے امام کے پیچھے والے نہ پڑھیں گوا نہیں امام کی آواز سنائی بھی نہ دے ہاں البتہ جب امام آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو اس وقت مقتدی بھی آہستہ پڑھ لیا کریں اور کسی کو لائق نہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ پڑھے خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے“۔ علماء کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی پڑ نہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے نہ کچھ اور۔ امام شافعی کے دو اقوال جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے اور یہ ان کا پہلا قول ہے جیسے کہ امام مالک کا مذہب ایک اور روایت میں امام احمد کا بہ سبب ان دلائل کے جن کا ذکر گذر چکا۔ یعنی نیا دوسرا قول آپ کا یہ ہے مقتدی صرف سورہ فاتحہ امام کے سکتوں کے درمیان پڑھ لے جبکہ صحابہؓ تابعینؒ اور ان کے بعد والے گروہ کا بھی یہی فرمان ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں مقتدی پر مطلقاً قرأت واجب نہیں نہ اس نماز میں جس میں امام آہستہ قرأت پڑھے اور نہ اس میں جس میں بلند آواز سے قرأت پڑھے اس لئے کہ حدیث میں ہے امام کی قرأت مقتدیوں کی بھی قرأت ہے اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابرؓ سے مروی روایت کیا ہے۔ یہی حدیث موطا امام مالک میں موقوفاً مروی ہے اور یہی صحیح ہے یعنی یہ قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہونا زیادہ صحیح ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان (لیکن یہ بھی یاد رہے کہ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ کنا نقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفتحہ الكتاب و سورۃ و فی الاخریین بفتحہ الكتاب یعنی ہم ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دو رکعتوں

میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ امام کی قرأت اسے کافی ہے اس سے مراد سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرأت ہے۔ واللہ اعلم (مترجم) یہ مسئلہ اور جگہ نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی خاص مسئلے پر حضرت امام ابو عبد اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ ہر نماز میں خواہ اس میں قرأت اونچی پڑھی جاتی ہو یا آہستہ مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے واللہ اعلم۔

ابن عباس فرماتے ہیں یہ آیت فرض نماز کے بارے میں ہے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ میں نے عبید بن عمر اور عطاء بن ابی رباح کو میں نے دیکھا کہ واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں نے کہا تم اس وعظ کو نہیں سنتے اور وعید کے قابل ہو رہے ہو؟ انہوں نے میری طرف دیکھا پھر باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے پھر یہی کہا انہوں نے پھر میری طرف دیکھا اور پھر اپنی باتوں میں لگ گئے میں نے پھر تیسری مرتبہ ان سے یہی کہا تیسری بار انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا یہ نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں نماز کے سوا جب کوئی قرآن کریم پڑھ رہا ہو تو کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بھی بہت سے بزرگوں کا فرمان ہے کہ مراد اس سے نماز میں ہے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز اور جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے۔ حضرت عطاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسن فرماتے ہیں نماز میں اور ذکر کے وقت۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں عید الاضحیٰ، عید الفطر، جمعہ کے دن اور جن نمازوں میں امام اونچی قرأت پڑھے۔ ابن جریر کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مراد اس سے نماز میں اور خطبے میں چپ رہنا ہے جیسے کہ حکم ہوا ہے امام کے پیچھے خطبے کی حالت میں چپ رہو۔ مجاہد نے اسے مکروہ سمجھا کہ جب امام خوف کی آیت یا رحمت کی آیت تلاوت کرے تو اس کے پیچھے سے کوئی شخص کچھ کہے بلکہ خاموشی کے لئے کہا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی خوف کی آیت سے گزرتے تو پناہ مانگتے اور جب کبھی کسی رحمت کے بیان والی آیت سے گزرتے تو اللہ سے سوال کرتے۔ (مترجم) حضرت حسن فرماتے ہیں جب تو قرآن سننے بیٹھے تو اس کے احترام میں خاموش رہا کر۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ
مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغٰفِلِينَ ۝۱۸
الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ
وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝۱۹

اور یاد کر اپنے پروردگار کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ بغیر اونچی آواز کے اپنے قول سے صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلوں میں نہ ہو جا۔ جو لوگ تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے جی بھاری نہیں کرتے اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں اور صرف اسی کے سامنے سجدے کرتے رہتے ہیں ○

اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے: ☆ ☆ (آیت: ۲۰۵-۲۰۶) اللہ تعالیٰ یہاں حکم فرماتا ہے کہ صبح شام اس کو بکثرت یاد کر۔ اور جگہ بھی ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ یعنی اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کیا کرو سورج طلوع اور سورج

غروب ہونے سے پہلے یہ آیت مکیدہ ہے اور یہ حکم معراج سے پہلے کا ہے۔ ”غدو“ کہتے ہیں دن کے ابتدائی حصے کو ”اصال“ جمع ہے اصیل کی جیسے کہ ایمان جمع ہے یمین کی۔ حکم دیا کہ رغبت لالچ اور ڈر خوف کے ساتھ اللہ کی یاد اپنے دل میں اپنی زبان سے کرتے رہو چیننے چلانے کی ضرورت نہیں اسی لئے مستحب یہی ہے کہ اونچی آواز کے ساتھ اور چلا چلا کر اللہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے جب حضورؐ سے سوال کیا کہ ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی چپکے چپکے کر لیا کریں یا دور ہے کہ ہم پکار پکار کر آوازیں دیں؟ تو اللہ تعالیٰ جل و علانے یہ آیت اتاری وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي اَلْحِجْبُ جِبْجِبٌ سے بندے تجھ سے میری بابت سوال کریں تو جواب دے کہ میں بہت ہی نزدیک ہوں دعا کرنے والے کی دعا کو جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے قبول فرمایا کرتا ہوں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ لوگوں نے ایک سفر میں با آواز بلند دعائیں کرنی شروع کیں تو آپ نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر ترس کھاؤ، تم کسی بہرے کو یا کسی غائب کو نہیں پکار رہے جسے تم پکارتے ہو وہ تو بہت ہی پست آواز سننے والا اور بہت ہی قریب ہے تمہاری سواری کی گردن جتنی تم سے قریب ہے اس سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد اس آیت سے بھی وہی ہو جو آیت وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ اَلْحِجْبُ سے ہے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو جبرئیل کو رسول اللہ ﷺ کو اور خود اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ نہ تو آپ اس قدر بلند آواز سے پڑھیں کہ مشرکین چڑ کر بکنے پھلکنے لگیں نہ اس قدر پست آواز سے پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ اس کے درمیان کاراستہ ڈھونڈنا لیں یعنی نہ بہت بلند نہ بہت آہستہ یہاں بھی فرمایا کہ بہت بلند آواز سے نہ ہو اور غافل نہ بنتا۔ امام ابن جریر اور ان سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلمؓ نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں قرآن کے سننے والے کو جو خاموشی کا حکم تھا اسی کو دہرایا جا رہا ہے کہ اللہ کا ذکر اپنی زبان سے اپنے دل میں کیا کرو لیکن یہ بعید ہے اور انصاف کے منافی ہے جس کا حکم فرمایا گیا ہے اور مراد اس سے یا تو نماز میں ہے یا نماز اور خطبے میں اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت خاموشی بہ نسبت ذکر ربانی کے افضل ہے خواہ وہ پوشیدہ ہو خواہ ظاہر پس ان دونوں کی متابعت نہیں کی گئی۔ اس لئے مراد اس سے بندوں کو صبح شام ذکر کی کثرت کی رغبت دلانا ہے تاکہ وہ غافلوں میں سے نہ ہو جائیں۔ (ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔)

تفسیر سورۃ انفال

تفسیر بیضاوی وغیرہ میں بھی یہی ہے اور دونوں آیات کے ظاہری ربط کا تقاضا بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم) اسی لئے فرشتوں کی تعریف بیان ہوئی کہ وہ رات دن اللہ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں بالکل تھکتے نہیں پس فرماتا ہے کہ جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ ان کا ذکر اس لئے کیا کہ اس کثرت عبادت و اطاعت میں ان کی اقتدا کی جائے اسی لئے ہمارے لئے بھی شریعت نے سجدہ مقرر کیا، فرشتے بھی سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے تم اسی طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں باندھتے ہیں کہ وہ پہلے اول صف کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں ذرا سی بھی گنجائش اور جگہ باقی نہیں چھوڑتے۔ اس آیت پر اجماع کے ساتھ سجدہ واجب ہے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی قرآن میں تلاوت کا پہلا سجدہ یہی ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو سجدے کی آیات میں شمار کیا ہے۔

اس کی چھالیس آیتیں ہیں۔ ایک ہزار چھ سو اکتیس کلمات ہیں۔ پانچ ہزار دو سو چورانوے حروف ہیں۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۗ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

بخشش اور مہربانی والے معبود کے نام سے شروع

تجھ سے مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں جو اب دے کر غنیمت کے مال اللہ اور اس کے رسول کے ہیں پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنا باہمی معاملہ ٹھیک ٹھاک رکھو اللہ کے اور اس کے رسول کے فرمانبردار بنے رہو اگر تم ایمان دار ہو ○

تفسیر سورۃ انفال: (آیت ۱): بخاری شریف میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سورہ انفال غزوہ بدر کے بارے میں اتاری ہے فرماتے ہیں انفال سے مراد غنیمت کے مال ہیں جو صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے ہی تھیں ان میں سے کوئی چیز کسی اور کے لئے نہ تھی۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا گھوڑا بھی انفال میں سے ہے اور سامان بھی سائل نے پھر پوچھا آپ نے پھر یہی جواب دیا اس نے پھر پوچھا کہ جس انفال کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ غرض پوچھتے پوچھتے ابن عباس کو تنگ کر دیا تو آپ نے فرمایا اس کا یہ کروت اس سے کم نہیں جسے حضرت عمرؓ نے مارا تھا حضرت فاروق اعظمؓ سے جب سوال ہوتا تو آپ فرماتے نہ تجھے حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں واللہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا حکم فرمانے والا حلال حرام کی وضاحت کرنے والا ہی بنا کر بھیجا ہے آپ نے اس سائل کو جواب دیا کہ کسی کسی کو بطور نفل (مالِ غنیمت) گھوڑا بھی ملتا اور ہتھیار بھی دو تین دفعہ اس نے یہی سوال کیا جس سے آپ غضبناک ہو گئے اور فرمانے لگے یہ تو ایسا ہی شخص ہے جسے حضرت عمرؓ نے کوڑے لگائے تھے یہاں تک کہ اس کی اڑیاں اور ٹخنے خون آلودہ ہو گئے تھے اس پر سائل کہنے لگا کہ خیر آپ سے تو اللہ نے عمرؓ کا بدلہ لے ہی لیا۔ الغرض ابن عباسؓ کے نزدیک تو یہاں نفل سے مراد پانچویں حصے کے علاوہ دہ انعامی چیزیں ہیں جو امام اپنے سپاہیوں کو عطا فرمائے۔ واللہ اعلم۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس پانچویں حصے کا مسئلہ پوچھا جو چار ایسے ہی حصوں کے بعد رہ جائے پس یہ آیت اتری۔ ابن مسعودؓ وغیرہ فرماتے ہیں لڑائی والے دن اس سے زیادہ امام نہیں دے سکتا بلکہ لڑائی کی شروع سے پہلے اگر چاہے دے دے۔ عطا فرماتے ہیں کہ یہاں مراد مشرکوں کا وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے مل جائے خواہ جانور ہو خواہ لونڈی غلام یا اسباب ہو پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا آپ کو اختیار تھا کہ جس کام میں چاہیں لگائیں تو گویا ان کے نزدیک مالِ فنیہ انفال ہے۔ یہ بطھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی گروہ کو ان کی کارکردگی یا حوصلہ افزائی کے عوض امام انہیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے اسے انفال کہا جاتا ہے۔ مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ بدر والے دن جب میرے بھائی عمیر قتل کئے گئے میں نے سعید بن عاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی جسے ذو الکعبینہ کہا جاتا تھا اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا جاؤ اسے باقی مال کے ساتھ رکھ آؤ میں نے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس وقت میرے دل پر کیا گزری ایک طرف بھائی کے قتل کا صدمہ دوسری طرف اپنا حاصل کردہ سامان واپس ہونے کا صدمہ ابھی میں چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ سورہ انفال نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا جاؤ اور وہ تلوار جو تم ڈال آئے ہو لے جاؤ۔

مسند میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے

مجھے مشرکوں سے بچالیا، اب آپ یہ تلوار مجھے دے دیجئے، آپ نے فرمایا سنو نہ یہ تمہاری ہے نہ میری ہے، اسے بیت المال میں داخل کر دو میں نے رکھ دی اور میرے دل میں خیال آیا کہ آج جس نے مجھے جیسی محنت نہیں کی، اسے یہ انعام مل جائے گا، یہ کہتا ہوا جا ہی رہا تھا جو آواز آئی کہ کوئی میرا نام لے کر میرے پیچھے سے مجھے پکار رہا ہے، لوٹنا اور پوچھا کہ حضور کہیں میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری؟ آپ نے فرمایا ہاں تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی، اس وقت وہ میری تھی۔ اب وہ مجھے دی گئی اور میں تمہیں دے رہا ہوں۔ پس آیت یَسْتَلُوْكَ عَنِ الْاَنْفَالِ اِلٰح، اس بارے میں اتری ہے ابو داؤد طیالسی میں انہی سے مروی ہے کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں، مجھے بدر والے دن ایک تلوار ملی، میں اسے لے کر سرکار رسالت ماب میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمائیے، آپ نے فرمایا جاؤ، جہاں سے لی ہے وہیں رکھ دو، میں نے پھر طلب کی، آپ نے پھر یہی جواب دیا، میں نے پھر مانگی، آپ نے پھر یہی فرمایا، اسی وقت یہ آیت اتری۔ یہ پوری حدیث ہم نے آیت وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ اِلٰح کی تفسیر میں درج کی ہے۔ پس ایک تو یہ آیت دوسری آیت وَوَصَّيْنَا اِلٰح تیسری آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ اِلٰح تھیں آیت وصیت (صحیح مسلم شریف)

سیرت ابن اسحاق میں ہے حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مجھے سیف بن عائد کی تلوار ملی جسے مرزبان کہا جاتا تھا۔ جب نبی ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو وہ جمع کرانے میں بھی گیا اور وہ تلوار رکھ آیا۔ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی آپ سے کچھ مانگتا تو آپ انکار نہ کرتے۔ حضرت ارقم بن ارقم خزاعی رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کو دیکھ کر آپ سے اسی کا سوال کیا، آپ نے انہیں عطا فرمادی اس آیت کے نزول کا سبب مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت ابوامامہ نے حضرت عبادہ سے انفال کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا، ہم بدریوں کے بارے میں ہے جبکہ ہم مال کفار کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگے اور جھگڑے بڑھ گئے تو یہ آیت اتری اور یہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد ہو گئی اور حضور نے اس مال کو برابری سے تقسیم فرمایا۔ مسند احمد میں ہے کہ ہم غزوہ بدر میں حضور ﷺ کے ساتھ نکلے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی، ہماری ایک جماعت نے تو ان کا تعاقب کیا کہ پوری ہزیمت دے دی۔

دوسری جماعت نے مال غنیمت میدان جنگ سے سمینا شروع کیا اور ایک جماعت اللہ کے نبی ﷺ کے ارد گرد کھڑی ہو گئی کہ کہیں کوئی دشمن آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچائے، رات کو سب لوگ جمع ہوئے اور ہر جماعت اپنا حق اس مال پر جتانے لگی، پہلی جماعت نے کہا، دشمنوں کو ہم نے ہی شکست دی ہے، دوسری جماعت نے کہا، مال غنیمت ہمارا ہی سمینا ہوا ہے، تیسری جماعت نے کہا، ہم نے حضور کی چوکیداری کی ہے، پس یہ آیت اتری اور حضور نے خود اس مال کو ہم میں تقسیم فرمایا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب دشمن کی زمین پر حملہ کرتے تو چوتھائی مانگتے اور لوٹتے وقت تہائی اور آپ انفال کو مکروہ سمجھتے ابن مردودہ میں ہے کہ بدر والے دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو ایسا کرے اسے یہ انعام اور جو ایسا کرے اسے یہ انعام، اب جو ان تو دوڑ پڑے اور نمایاں کارنامے انجام دیئے، بوڑھوں نے مورچے تھامے اور جنڈوں تلے رہے، اب جوانوں کا مطالبہ تھا کہ سارا مال ہمیں ملنا چاہئے۔ بوڑھے کہتے تھے کہ لشکر گاہ کو ہم نے محفوظ رکھا، تم اگر شکست اٹھاتے تو یہیں آتے، اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری، سردی ہے کہ حضور کا اعلان ہو گیا تھا کہ جو کسی کافر کو قتل کرے اسے اتنا ملے گا اور جو کسی کافر کو قید کرے اسے اتنا ملے گا۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی پکڑ لائے اور حضرت کو وعدہ یاد لایا، اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے کہا کہ پھر تو ہم سب یونہی رہ جائیں گے، بزدی یا بے طاقتی کی وجہ سے ہم آگے نہ بڑھے ہوں، یہ بات نہیں بلکہ اس لئے کہ پھیل جانے سے کفار بنا آ رہے ہیں، حضور کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس لئے ہم آپ کے ارد گرد رہے، اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری اور آیت وَاعْلَمُوا اِنَّمَا غَنِمْتُمْ اِلٰح

بھی اتری۔ امام ابو عبید اللہ قاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب احوال الشرعیہ میں لکھا ہے کہ انفال غنیمت ہے اور حربی کافروں کے جو مال مسلمانوں کے قبضے میں آئیں وہ سب ہیں پس انفال آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں تھے۔ بدر والے دن بغیر پانچواں حصہ نکالے جس طرح اللہ نے آپ کو سمجھایا، آپ نے مجاہدین میں تقسیم کیا اس کے بعد پانچواں حصہ نکالنے کے حکم کی آیت اتری اور یہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا لیکن ابن زید وغیرہ اسے منسوخ نہیں بتلاتے بلکہ محکم کہتے ہیں۔ انفال غنیمت کی جمع ہے مگر اس میں سے پانچواں حصہ مخصوص ہے۔ اس کی اہل کے لئے جیسے کہ کتاب اللہ میں حکم ہے اور جیسے کہ سنت رسول اللہ جاری ہوئی ہے۔ انفال کے معنی کلام عرب میں ہر اس احسان کے ہیں جسے کوئی بغیر کسی پابندی یا وجہ کے دوسرے کے ساتھ کرے۔ پہلے کی تمام امتوں پر یہ مال حرام تھے اس امت پر اللہ نے رحم فرمایا اور مال غنیمت ان کے لئے حلال کیا۔

چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ پھر ان کے ذکر میں ایک یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہ تھیں۔ امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ امام لشکر میں سے کسی کو کوئی انعام دے جو اس کے مقررہ حصہ کے علاوہ ہو اسے نفل کہتے ہیں۔ غنیمت کے انداز اور اس کے کارنامے کے صلے کے برابر یہ ملتا ہے۔ اس نفل کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت تو مقتول کا مال اسباب وغیرہ ہے جس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ دوسری صورت وہ نفل جو پانچواں حصہ علیحدہ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے، مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر کسی دشمن پر بھیج دیا وہ غنیمت یا مال لے کر پلٹا تو امام اس میں سے اسے چوتھا یا تہائی بانٹ دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جو پانچواں حصہ نکال کر باقی کا تقسیم ہو چکا ہے اب امام بقدر خزانہ اور بقدر شخصی جرات کے اس میں سے جسے جتنا چاہے دے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ امام پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے ہی کسی کو کچھ دے مثلاً چرواہوں کو، سائیسوں کو، بہشتیوں کو وغیرہ پھر ہر صورت میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے جو سامان اسباب مقتولین کا مجاہدین کو دیا جائے وہ انفال میں داخل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنا حصہ پانچویں حصے میں سے پانچواں جو تھا اس میں سے آپؐ جسے چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمائیں یہ نفل ہے پس امام کو چاہئے کہ دشمنوں کی کثرت، مسلمانوں کی قلت اور ایسے ہی ضروری وقتوں میں سے اس سنت کی تابعداری کرے ہاں جب ایسا موقع نہ ہو تو نفل ضروری نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ایک چھوٹی سی جماعت کہیں بھیجتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرنے پانچواں حصہ نکال کر باقی سب اسی کا ہے تو وہ سب انہی کا ہے کیونکہ انہوں نے اسی شرط پر غزوہ کیا ہے اور یہ رضامندی سے طے ہو چکی ہے، لیکن ان کے اس بیان میں جو کچھ کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا اس میں ذرا کلام ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ دوادنیائیں وہ ہیں جو انہیں بدر کے دن پانچویں حصے میں ملی تھیں میں نے ان کا پورا بیان کتاب السیرہ میں کر دیا ہے۔ فالحمد للہ۔ تم اپنے کاموں میں اللہ کا ڈر رکھو آپس میں صلہ و صفائی رکھو۔ ظلم، جھگڑے اور مخالفت سے باز آ جاؤ جو ہدایت و علم اللہ کی طرف سے تمہیں ملا ہے اس کی قدر کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے رہو عدل و انصاف سے ان مالوں کو تقسیم کر دو پرہیزگاری اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کرو۔

مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ حضورؐ بیٹھے بیٹھے ایک مرتبہ مسکرائے اور پھر ہنس دیئے، عمرؓ نے دریافت کیا کہ آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں کیسے ہنس دیئے؟ آپؐ نے فرمایا میری امت کے دو شخص اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے ایک نے کہا اللہ میرے بھائی سے میرے ظلم کا بدلہ لے، اللہ نے اس سے فرمایا، ٹھیک ہے اسے بدلہ دے، اس نے کہا اللہ میرے پاس تو نیکیاں اب باقی نہیں رہیں اس نے کہا اللہ پھر میری برائیاں اس پر لاد دے، اس وقت حضورؐ کے آنسو نکل آئے اور فرمانے لگے وہ دن بڑا ہی سخت ہے لوگ چاہتے ہوں گے

تلاش میں ہوں گے کسی پران کا بوجھ لا دیا جائے، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے طالب اپنی نگاہ اٹھا اور ان جنتیوں کو دیکھ وہ دیکھے گا اور کہے گا چاندی کے قلعے اور سونے کے محل میں دیکھ رہا ہوں جو لوگوں اور موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہیں پروردگار مجھے بتایا جائے کہ یہ مکانات اور یہ درجے کسی نبی کے ہیں یا کسی صدیق کے یا کسی شہید کے؟ اللہ فرمائے گا یہ اس کے ہیں جو ان کی قیمت دا کر دئے یہ کہے گا اللہ کس سے ان کی قیمت ادا ہو سکے گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرے پاس تو اس کی قیمت ہے وہ خوش ہو کر پوچھے گا کہ پروردگار وہ کیا؟ اللہ فرمائے گا یہی کہ تیرا جو حق اس مسلمان پر ہے تو اسے معاف کر دے وہ فوراً کہے گا اللہ میں نے معاف کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اب اس کا ہاتھ تھام لے اور تم دونوں جنت میں چلے جاؤ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کا آخری حصہ تلاوت فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور آپس کی اصلاح کرو دیکھو اللہ تعالیٰ خود قیمت کے دن مومنوں میں صلح کرائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمُ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿١٠٦﴾
 الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿١٠٧﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ﴿١٠٨﴾ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ ﴿١٠٩﴾ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿١١٠﴾

مومن وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے ذکر اللہ کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان بڑھادیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ○ جو نمازوں کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے وہ ہماری راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ○ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں بڑے مرتبے ہیں اور بخشش ہے اور بہت ہی اچھی روزی ○

ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان: ☆ ☆ (آیت: ۲-۴) ابن عباسؓ فرماتے ہیں منافقوں کے دل میں نہ فریضے کی دائمگی کے وقت ذکر اللہ ہوتا ہے نہ کسی اور وقت پر نہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور ہوتا ہے نہ اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے نہ تنہائی میں نمازی رہتے ہیں نہ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں ایسے لوگ ایمان سے خالی ہوتے ہیں لیکن ایمان داران کے برعکس ہوتے ہیں۔ ان کے دل یاد خالق سے کپکپاتے رہتے ہیں، فرائض ادا کرتے ہیں آیات الہی سن کر ایمان چمک اٹھتے ہیں، تصدیق میں بڑھ جاتے ہیں رب کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے اللہ کی یاد سے تھر تھراتے رہتے ہیں اللہ کا ڈران میں سما یا ہوا ہوتا ہے اسی وجہ سے نہ تو حکم کا خلاف کرتے ہیں اور نہ منع کئے ہوئے کام کو کرتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ ان سے اگر کوئی برائی سرزد ہو بھی جاتی ہے تو یاد الہ کر تے ہیں پھر اپنے گناہ سے استغفار کرتے ہیں حقیقت میں سوائے اللہ کے کوئی گناہوں کا بخشنے والا بھی نہیں یہ لوگ باوجود علم کے کسی گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ اور آیات میں ہے وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنُحِجَّ جَوْشِعْنَ أَهْنِ رَّبِّهِ كَيْفَ يَكْفُرُ بِهِ إِذْ لَمْ يَكُنْ لِيُكْفَرْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا حَسِيبًا ﴿١٠٥﴾ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے جی میں ظلم یا گناہ کرنے کا خیال آتا ہے لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ وہ ہیں ان کا دل کا پھینے لگتا ہے۔ ام دردا فرماتی ہیں کہ دل اللہ کے خوف سے حرکت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے وقت انسان کو اللہ عزوجل سے دعا مانگنی چاہئے ایمانی حالت بھی ان کی روز بروز زیادتی میں رہتی ہے ادھر قرآنی آیات سنیں اور ایمان بڑھا۔

جیسے اور جگہ ہے کہ جب کوئی سورت اترتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں کس کا ایمان بڑھا دیا۔ بات یہ ہے کہ ایمان والوں کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس آیت سے اور اس جیسی دیگر آیات سے حضرت امام الامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ ایمان کی زیادتی سے مراد ہے کہ دلوں میں ایمان کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے یہی مذہب جمہور امت کا ہے بلکہ کئی ایک نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جیسے شافعی، احمد بن حنبل، ابو عبید وغیرہ جیسے کہ ہم نے شرح بخاری کے شروع میں پوری طرح بیان کر دیا ہے۔ واللہ۔ ان کا بھروسہ صرف اپنے رب پر ہوتا ہے نہ اس کے سوا کسی سے وہ امید رکھیں نہ اس کے سوا کوئی ان کا مقصود نہ اس کے سوا کسی سے وہ پناہ چاہیں نہ اس کے سوا کسی سے مرادیں مانگیں نہ کسی اور کی طرف جھکیں وہ جانتے ہیں کہ قدرتوں والا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا ہرگز نہیں ہوتا، تمام ملک میں اسی کا حکم چلتا ہے، مالک صرف وہی ہے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کے کسی حکم کو کوئی ٹال سکے اور وہ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اللہ پر توکل کرنا ہی پورا ایمان ہے۔ ان مومنوں کے ایمان اور اعتقاد کی حالت بیان فرما کر اب ان کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نمازوں کے پابند ہوتے ہیں۔ وقت کی وضو کی رکوع کی سجدے کی، کامل پاکیزگی کی، قرآن کی تلاوت، تشہد، درود، سب چیزوں کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ اللہ کے اس حق کی ادائیگی کے ساتھ ہی بندوں کے حق بھی نہیں بھولتے۔ واجب خرچ یعنی زکوٰۃ، مستحب خرچ یعنی اللہ کے راستہ میں صدقہ و خیرات برابر دیتے ہیں۔

چونکہ تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اس لئے اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق کی سب سے زیادہ خدمت کرے اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں دیتے رہو، یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے، بہت جلد تم اسے چھوڑ کر رخصت ہونے والے ہو، پھر فرماتا ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں وہ سچے مومن ہیں۔ طبرانی میں ہے حارث بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری صبح کس حال میں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں، آپ نے فرمایا کہ سمجھ لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہر چیز کی حقیقت ہوا کرتی ہے، جانتے ہو حقیقت ایمان کیا ہے؟ جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنی خواہشیں دنیا سے الگ کر لیں، اے اللہ تعالیٰ کی یاد میں جاگ کر اور دن اللہ کی راہ میں بھوکے پیاسے رہ کر گزارتا ہوں، گویا میں اللہ کے عرش کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں ہنسی خوشی ایک دوسرے سے مل جل رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ دوزخ میں جل بھن رہے ہیں، آپ نے فرمایا حارثہ تو نے حقیقت جان لی، پس اس حال پر ہمیشہ قائم رہنا، تین مرتبہ یہی فرمایا۔

پس آیت میں بالکل محاورہ عرب کے مطابق ہے جیسے وہ کہا کرتے ہیں کہ گوفلاں قوم میں سردار بہت سے ہیں لیکن صحیح معنی میں سردار فلاں ہے یا فلاں قبیلے میں تاجر بہت ہیں لیکن صحیح طور پر تاجر فلاں ہے یا فلاں لوگوں میں شاعر بہت ہیں لیکن سچا شاعر فلاں ہے۔ ان کے مرتبے اللہ کے ہاں بڑے بڑے ہیں اللہ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے وہ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے گا ان کی نیکیوں کی قدر دانی کرے گا، گویہ درجے اونچے نیچے ہوں گے لیکن کسی بلند مرتبہ شخص کے دل میں یہ خیال نہ ہوگا کہ میں فلاں سے اعلیٰ ہوں اور نہ کسی ادنیٰ درجے والوں کو یہ خیال ہوگا کہ میں فلاں سے کم ہوں۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ علیین والوں کو نیچے کے درجے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے پوچھا یہ مرتبے تو انبیاء کے ہوں گے؟ کوئی اور تو اس مرتبے پر نہ پہنچ سکے گا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ لوگ بھی جو اللہ پر ایمان لائیں اور رسولوں کو سچ جانیں۔ اہل سنن کی حدیث میں ہے کہ اہل جنت بلند درجہ جنینوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں

کے چمیلے ستاروں کو دیکھا کرتے ہو یقیناً ابو بکرؓ اور عمرؓ انہی میں سے ہیں اور بہت اچھے ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ
 الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا
 يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ
 إِحْدَى الظَّالِمَاتِ إِنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
 الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّقَ الْحَقَّ
 بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ
 الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

جیسے کہ تجھے پروردگار نے بہترین تدبیر کے ساتھ تیرے گھر سے نکالا حالانکہ مومنوں کی ایک جماعت اسے ناپسند کرنے والی تھی ○ یہ تو تجھ سے بالکل سچی بات میں جو واضح ہو چکی ہے، جھگڑ رہے ہیں گویا کہ وہ موت کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف ٹھہرنے جا رہے ہیں ○ یاد کر جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی تمہاری چاہت تھی کہ بغیر شوکت والی جماعت تمہارے ہاتھ لگے اور حق تعالیٰ کی چاہت تھی کہ وہ دن حق کو اپنے فرمان سے سچا ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جزا نیا کاٹ دے ○ تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے، گو گنہگاروں کو برا ہی لگے ○

شع رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں: ☆ ☆ (آیت: ۵-۸) ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ جیسے تم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا آخر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے نبی کو اس کی تقسیم کا اختیار دے دیا اور اپنے عدل و انصاف کے ساتھ اسے تم میں بانٹ دیا اور درحقیقت تمہارے لئے اسی میں بھلائی تھی۔ اسی طرح اس نے باوجود تمہاری اس چاہت کے کہ قریش کا تجارتی قافلہ تمہیں مل جائے اور جنگی جماعت سے مقابلہ نہ ہو اس نے تمہارا مقابلہ بغیر کسی وعدے کے ایک پر شکوہ جماعت سے کر دیا اور تمہیں اس پر غالب کر دیا کہ اللہ کی بات بلند ہو جائے اور تمہیں فتح نصرت غلبہ اور شان شوکت عطا ہو۔ جیسے فرمان ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ الخ تم پر جہاد فرض کیا گیا حالانکہ تم اسے برا جانتے ہو بہت ممکن ہے کہ ایک چیز کو اپنے حق میں اچھی نہ جانو اور درحقیقت وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک چیز کو اپنے حق میں اچھی جانو اور حقیقت میں وہ بدرتہا دراصل حقائق کا علم اللہ ہی کو ہے تم محض بے علم ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جیسے مومنوں کے ایک گروہ کی چاہت کے خلاف تجھے تیرے رب نے شہر سے باہر لڑائی کے لئے نکالا اور نتیجہ اسی کا اچھا ہوا ایسے ہی جو لوگ جہاد کے لئے نکلتا ابو جہ سمجھ رہے ہیں دراصل یہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مال غنیمت میں ان کا اختلاف بالکل بدروائے دن کے اختلاف کے مشابہ تھا کہنے لگے تھے آپ نے ہمیں قافلے کا فرمایا تھا، لشکر کا نہیں، ہم جنگی تیاری کر کے نکلے ہی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے اسی ارادے سے نکلے تھے کہ ابوسفیان کے اس قافلے کو روکیں جو شام سے مدینہ کو قریشیوں کے بہت سے مال اسباب لے کر آ رہا تھا۔ حضور ﷺ لوگوں کو تیار کیا اور تین سو دس سے کچھ اوپر لوگوں کے لئے کر آپ مدینے سے چلے اور سمندر کے کنارے کے راستے کی طرف سے بدر کے مقام سے چلے ابوسفیان کو چونکہ آپ کے نکلنے کی خبر پہنچ چکی تھی اس نے اپنا راستہ

بدل دیا اور ایک تیز رو قاصد کو کے دوڑایا وہاں سے قریش تقریباً ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر لوہے میں ڈوبے ہوئے بدر کے میدان میں پہنچ گئے، پس یہ دونوں جماعتیں ٹکرائیں، گھمسان کی لڑائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حق کو فتح دلوائی، اپنا دین بلند کیا اور اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام کو کفر پر غالب کیا جیسے کہ اب بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ جب حضور کو یہ پتہ چلا کہ مشرکین کی جنگی ہم کے سے آرہی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے بذریعہ وحی کے وعدہ کیا کہ یا تو قافلہ آپ کو ملے گا یا لشکر کفار۔ اکثر مسلمان دل سے چاہتے تھے کہ قافلہ مل جائے کیونکہ یہ نسبتاً ہلکی چیز تھی لیکن اللہ کا ارادہ تھا کہ اس وقت بغیر زیادہ تیاری اور اہتمام کے اور آپ کے قول قرار کے ٹڈ بھٹھو جائے اور حق و باطل کی تمیز ہو جائے، کفار کی ہمت ٹوٹ جائے اور دین حق نکھر آئے۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو کہ ہم اس قافلے کی طرف بڑھیں؟ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مال غنیمت دلوادے، ہم سب نے تیاری ظاہر کی، آپ ہمیں لے کر چلے، ایک دن یا دو دن کا سفر کر کے آپ نے ہم سے فرمایا کہ قریشیوں سے جہاد کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہیں تمہارے چلنے کا علم ہو گیا ہے اور وہ تم سے لڑنے کے لئے چل پڑے ہیں، ہم نے جواب دیا کہ واللہ ہم میں ان سے مقابلے کی طاقت نہیں، ہم تو صرف قافلے کے ارادے سے نکلے ہیں، آپ نے پھر یہی سوال کیا اور ہم نے پھر یہی جواب دیا۔ اب حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم اس وقت آپ کو وہ نہ کہیں گے جو موسیٰ کی قوم نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ تو اور تیرا رب جا کر کافروں سے لڑے، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اب تو ہمیں بڑا ہی رنج ہونے لگا کہ کاش یہی جواب ہم بھی دیتے تو ہمیں مال کے ملنے سے اچھا تھا، پس یہ آیت اتری۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ بدر کی جانب چلتے ہوئے رسول اکرم ﷺ روجا میں پہنچے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ ہاں ہمیں بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ فلاں فلاں جگہ ہیں آپ نے پھر خطبہ دیا اور یہی فرمایا، اب کی مرتبہ حضرت عمر فاروق نے یہی جواب دیا، آپ نے پھر تیسرے خطبے میں یہی فرمایا، اس پر حضرت سعد بن معاذ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ، کیا آپ ہم سے دریافت فرما رہے ہیں؟ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو عزت و بزرگی عنایت فرمائی ہے اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، نہ میں ان راستوں میں کبھی چلا ہوں اور نہ مجھے اس لشکر کا علم ہے، ہاں اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ برک الغماد تک بھی چڑھائی کریں تو واللہ ہم آپ کی رکاب تھامے آپ کے پیچھے ہوں گے، ہم ان کی طرح نہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ تو اپنے ساتھ اپنے پروردگار کو لے کر چلا جا اور تم دونوں ان سے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، نہیں نہیں بلکہ اے اللہ کے رسول آپ چلے، اللہ آپ کا ساتھ دے، ہم تو آپ کے زیر حکم کفار سے جہاد کے لئے صدق دل سے تیار ہیں یا رسول اللہ (ﷺ) گو آپ کسی کام کو زیر نظر رکھ کر نکلے ہوں لیکن اس وقت کوئی اور نیا کام پیش نگاہ ہو تو بسم اللہ کیجئے، ہم تابعداری سے منہ پھیرنے والے نہیں، آپ جس سے چاہیں ناطوڑ لیجئے، جس سے چاہیں عداوت کیجئے، اور جس سے چاہیں محبت کیجئے، ہم اسی میں آپ کے ساتھ ہیں یا رسول اللہ ہماری جانوں کے ساتھ ہمارے مال بھی حاضر ہیں، آپ کو جس قدر ضرورت ہو، لیجئے اور کام میں لگائیے، پس حضرت سعدؓ کے اس فرمان پر قرآن کی یہ آیات اتری ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے بدر میں جنگ کرنے کی بابت صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت سعد بن عبادہ

رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور حضورؐ نے مجاہدین کو کربندی کا حکم دے دیا، اس وقت بعض مسلمانوں کو یہ ذرا گراں گذرا اس پر یہ آیات اتریں۔ پس حق میں جھگڑنے سے مراد جہاد میں اختلاف کرنا ہے اور مشرکوں کے لشکر سے ٹڈ بھڑ ہونے اور ان کی طرف چلنے کو ناپسند کرنا ہے، اس کے بعد ان کے لئے واضح ہو گیا یعنی یہ امر کہ حضورؐ بغیر حکم رب العزت کے کوئی حکم نہیں دیتے۔ دوسری تفسیر میں ہے اس سے مراد مشرک لوگ ہیں جو حق میں روڑے اٹکاتے ہیں، اسلام کا ماننا ان کے نزدیک ایسا ہے جیسے دیکھتے ہوئے موت کے منہ میں کودنا، یہ وصف مشرکوں کے سوا اور کسی کا نہیں اور اہل کفر کی پہلی علامت یہی ہے۔ ابن زید کا یہ قول نقل کر کے امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ اس سے پہلے کا قول يُحَادِدُونَكَ فِي الْحَقِّ اہل ایمان کی خبر ہے تو اس سے متصل خبر بھی انہی کی ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن اسحاق ہی کا قول اس بارے میں ٹھیک ہے کہ یہ خبر مومنوں کی ہے نہ کہ کافروں کی حق بات یہی ہے جو امام صاحب نے لکھی۔ سیاق کلام کی دلالت بھی اسی پر ہے (واللہ اعلم)۔

مسند احمد میں ہے کہ بدر کی لڑائی کی فتح کے بعد بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اب چلے قافلے کو بھی دبا لیں، اب کوئی روک نہیں ہے، اس وقت عباس بن عبدالمطلب کفار سے قید ہو کر آئے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اونچی آواز سے کہنے لگے کہ حضورؐ ایسا نہ کیجئے، آپ نے دریافت فرمایا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا، وہ اللہ نے پورا کیا ایک جماعت آپ کو مل گئی۔ مسلمانوں کی چاہت تھی کہ لڑائی والے گروہ سے تو ٹڈ بھڑ نہ ہو البتہ قافلے والے مل جائیں اور اللہ کی چاہت تھی کہ شوکت و شان والی قوت و گھمنڈ والی لڑائی بھڑائی والی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر تمہیں غالب کر کے تمہاری مدد کرے، اپنے دین کو ظاہر کر دے اور اپنے کلمے کو بلند کر دے اور اپنے دین کو دوسرے تمام دینوں پر اونچا کر دے، پس انجام کی بھلائی اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ اپنی عمدہ تدبیر سے تمہیں سنبھال رہا ہے، تمہاری مرضی کے خلاف کرتا ہے اور اس میں تمہاری مصلحت اور بھلائی ہوتی ہے، جیسے فرمایا کہ جہاد تم پر لکھا گیا اور وہ تمہیں ناپسند ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہاری ناپسندیدگی کی چیز میں ہی انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے بہتری ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ درحقیقت تمہارے حق میں بری ہو۔ اب جنگ بدر کا مختصر سا واقعہ بزبان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سنئے، جب رسول کریم ﷺ نے سنا کہ ابوسفیان شام سے مع قافلے کے اور مع اسباب کے آ رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ چلو ان کا راستہ روکو، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے یہ اسباب تمہیں دلوادے، چونکہ کسی لڑانے والی جماعت سے لڑائی کرنے کا خیال بھی نہ تھا، اس لئے لوگ بغیر کسی خاص تیاری کے جیسے تھے ویسے ہی ہلکے پھلکے نکل کھڑے ہوئے، ابوسفیان بھی غافل نہ تھا، اس نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور آنے جانے والوں سے بھی دریافت حال کر رہا تھا، ایک قافلے سے اسے معلوم ہو گیا کہ حضورؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر تیرے اور تیرے قافلے کی طرف چل پڑے ہیں، اس نے ضیغم بن عمرو غفاری کو انعام دے دلا کر اسی وقت قریش مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ تمہارے مال خطرے میں ہیں، حضورؐ مع اپنے اصحاب کے اس طرف آ رہے ہیں، تمہیں چاہئے کہ پوری تیاری سے فوراً ہماری مدد کو آؤ، اس نے بہت جلد وہاں پہنچ کر خبر دی تو قریشیوں نے زبردست حملے کی تیاری کر لی اور نکل کھڑے ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ جب ذفران وادی میں پہنچے تو آپ کو قریش کے لشکروں کا ساز و سامان سے ٹکنا معلوم ہو گیا، آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا اور یہ خبر بھی کر دی۔

حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر جواب دیا اور بہت اچھا کہا، پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی معقول جواب دیا، پھر حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہو، اسے انجام دیجئے، ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں

اور ہر طرح فرما خبردار ہیں ہم بخواسرائیل کی طرح نہیں کہ اپنے نبی سے کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑو! ہم تماشا دیکھتے ہیں، نہیں بلکہ ہمارا یہ قول ہے کہ اللہ کی مدد کے ساتھ چلئے، کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ برک غمار یعنی حبشہ کے ملک تک بھی چلیں تو ہم آپ کے ساتھ سے منہ نہ موڑیں گے اور وہاں پہنچائے اور پہنچے بغیر کسی طرح نہ رہیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے انہیں بہت اچھا کہا اور ان کو بڑی دعائیں دیں، لیکن آپ پھر بھی یہی فرماتے رہے کہ لوگو مجھے مشورہ دو میری بات کا جواب دو اس سے مراد آپ کی انصاریوں کے گروہ تھے ایک تو اس لئے کہ گنتی میں یہی زیادہ تھے دوسرے اس لئے بھی کہ عقبہ میں جب انصار نے بیعت کی تھی تو اس بات پر کی تھی کہ جب آپ مکے سے نکل کر مدینے میں پہنچ جائیں پھر ہم آپ کے ساتھ ہیں جو بھی دشمن آپ پر چڑھائی کر کے آئے ہم اس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں گے اس میں چونکہ یہ وعدہ نہ تھا کہ خود آپ اگر کسی پر چڑھ کر جائیں تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اب ان کا ارادہ معلوم کر لیں کا اشارہ سمجھ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ شاید آپ ہم سے جواب چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی بات ہے تو حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا آپ پر ایمان ہے ہم آپ کو سچا جانتے ہیں اور جو کچھ آپ لائے ہیں اسے بھی حق مانتے ہیں ہم آپ کا فرمان سننے اور اس پر عمل کرنے کی بیعت کر چکے ہیں اے اللہ کے رسول جو حکم اللہ تعالیٰ کا آپ کو ہوا ہے اسے پورا کیجئے ہم آپ کی ہر کابلی سے نہ نہیں گئے اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اگر سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر آپ اس میں گھوڑا ڈال دیں تو ہم بھی بلا تامل اس میں کود پڑیں گے ہم میں سے ایک کو بھی آپ ایسا نہ پائیں گے جسے ذرا سا بھی ٹال ہو ہم اس پر بخوشی رضا مند ہیں کہ آپ ہمیں دشمنوں کے مقابلے پر چھوڑ دیں ہم لڑائیوں میں بہادری کرنے والے مصیبت کے جھیلنے والے اور دشمن کے دل پر سکھ جمانے والے ہیں آپ ہمارے کام دیکھ کر انشاء اللہ خوش ہوں گے چلئے اللہ کا نام لے کر چڑھائی کیجئے اللہ برکت دے۔ ان کے اس جواب سے رسول اکرم ﷺ بہت ہی مسرور ہوئے اسی وقت کوچ کا حکم دیا کہ چلو اللہ کی برکت پر خوش ہو جاؤ رب مجھ سے وعدہ کر چکا ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت ہمارے ہاتھ لگے گی واللہ میں تو ان لوگوں کے گرنے کی جگہ ابھی نہیں سے گویا اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ
مِّنَ الْمَلِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا
بُشْرَىٰ وَلِتَظْمِنَ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ
عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

یہی وہ وقت تھا جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اس نے تمہاری فریاد رسی کی کہ میں تمہاری امداد ایک ہزار لگا تار آنے والے فرشتوں سے کروں گا ○ اسے تو اللہ نے صرف تمہارے لئے ایک خوشخبری بنائی تھی کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ غالب ہے اور باحکمت ○

سب سے پہلا غزوہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) مسند احمد میں ہے کہ بدر والے دن نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف نظر ڈالی وہ تین سو سے کچھ اور تھی پھر مشرکین کو دیکھا ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی اسی وقت آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہہ باندھے ہوئے تھے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شروع کی کہ الہی جو تیرا وعدہ ہے اسے اب پورا فرما الہی جو

وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے وہی کرائے اللہ اہل اسلام کی یہ تھوڑی سی جماعت اگر ہلاک ہو جائے گی تو پھر کبھی بھی تیری توحید کے ساتھ زمین پر عبادت نہ ہوگی، تقویٰ نبی آپ دعا اور فریاد میں لگے رہے یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں پر سے اتر گئی۔ اسی وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے آپ کی چادر اٹھا کر آپ کے جسم مبارک پر ڈال کر (پیچھے سے آپ کو اپنی ہاتھوں میں لے کر) آپ کو وہاں سے ہٹانے لگے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے جی بھر کر دعا مانگا لی وہ اپنے وعدے کو ضرور پورا کرے گا اسی وقت یہ آیت اتری۔

اس کے بعد مشرک اور مسلمان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو شکست دی ان میں سے ستر شخص تو قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ حضور نے ان قیدی کفار کے بارے میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو فرمایا رسول اللہ آخریہ ہمارے کنبے برادری کے خویش و اقارب ہیں آپ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے، مال ہمیں کام آئے گا اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کل انہیں ہدایت دے دے اور یہ ہمارے قوت و بازو بن جائیں پھر آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا میری رائے تو اس بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف ہے میرے نزدیک تو ان میں سے فلاں جو میرا قریبی رشتہ دار ہے مجھے سوچ دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں اور عقل کو حضرت علیؑ کے سپرد کیجئے کہ وہ اس کا کام تمام کریں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ان کا فلاں بھائی کیجئے کہ وہ اسے صاف کر دیں، ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ظاہر کر دیں کہ ہمارے دل ان مشرکوں کی محبت سے خالی ہیں اللہ رب العزت کے نام پر انہیں چھوڑ چکے ہیں اور رشتہ دار یا ان سے توڑ چکے ہیں یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ سرداران کفر ہیں اور کافروں کے گروہ ہیں انہیں زندہ چھوڑنا مناسب نہیں حضور ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول کیا اور حضرت عمرؓ کی بات کی طرف مائل نہ ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن صبح ہی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں میں نے پوچھا کہ آخراں رونے کا کیا سبب ہے؟ اگر کوئی ایسا ہی باعث ہو تو میں بھی ساتھ دوں ورنہ تکلف سے ہی رونے لگوں کیونکہ آپ دونوں بزرگوں کو روتا دیکھتا ہوں، آپ نے فرمایا یہ رونا بوجہ اس عذاب کے ہے جو تیرے ساتھیوں پر فدیہ لے لینے کے باعث پیش ہوا، آپ نے اپنے پاس کے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا دیکھو اللہ کا عذاب اس درخت تک پہنچ چکا ہے۔ اسی کا بیان آیت مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ سے مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا تک ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت حلال فرمایا پھر اگلے سال جنگ احد کے موقعہ پر فدیہ لینے کے بدلے ان کی سزا ملے ہوئی، ستر مسلمان صحابہ شہید ہوئے، الشکر اسلام میں بھگدڑ مچ گئی، آنحضرت ﷺ کے سامنے کے چار اہل شہید ہوئے، آپ کے سر پر جو خود تھا وہ ٹوٹ گیا، چہرہ خون آلودہ ہو گیا۔ پس یہ آیت اتری

أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ أَلَيْسَ أُنِذِرُكُمْ مِثْلَ هَذِهِ الْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِكُمْ لَا يَأْتِيهِمْ آيَاتُ اللَّهِ فَكَيْفَ يُؤْمِنُونَ

ہے۔ تم اس سے پہلے اس سے دگنی راحت بھی تو پا چکے ہو، یقین مانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ فدیہ لینے کا بدل ہے یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کی دعا کے بارے میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب حضور نے دعا میں اپنا پورا مبالغہ کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! مناجات ختم کیجئے اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ اسے ضرور پورا کرے گا اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت

مقداد بن اسود نے ایک ایسا کام کیا کہ اگر میں کرتا تو مجھے اپنے اور تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہوتا آنحضرت ﷺ جب مشرکوں پر بددعا کر رہے تھے تو مقداد بن اسود آئے اور کہنے لگے ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو قوم موسیٰ نے کہا تھا کہ خود اپنے رب کو ساتھ لے کر جا اور لڑ بھڑ لو بلکہ ہم جو کہتے ہیں وہ کر کے بھی دکھائیں گے چلے ہم آپ کے دائیں بائیں برابر کفار سے جہاد کریں گے آگے پیچھے بھی ہم ہی ہم نظر آئیں گے میں نے دیکھا کہ ان کے اس قول سے رسول اللہ ﷺ خوش ہو گئے اور آپ کا چہرہ مبارک چمکنے لگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس دعا کے بعد حضور ﷺ یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ عنقریب مشرکین شکست کھائیں گے اور پیٹھ دکھائیں گے (نسائی وغیرہ) ارشاد ہوا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کی جائے گی جو برابر ایک دوسرے کے پیچھے سلسلہ دار آئیں گے اور تمہاری مدد کریں گے ایک کے بعد ایک آتا رہے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے لشکر کے دائیں طرف میں آئے تھے جس پر کمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی اور بائیں طرف پر حضرت میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کی فوج کے ساتھ اترے تھے اس طرف میری کمان تھی۔ ایک قرأت میں مردفین بھی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ان دونوں فرشتوں کے ساتھ پانچ سو فرشتے تھے جو بطور امداد آسمان سے حکم الہی اترے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر پر حملہ کرنے کے لئے اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک ایک کوڑا امانگئے کی آواز اور ساتھ ہی ایک گھڑ سواری آواز آئی کہ اے خیر دم آگے بڑھو وہیں دیکھا کہ وہ مشرک چت گرا ہوا ہے اس کا منہ کوڑے کے لگنے سے بگڑ گیا ہے اور ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو گئی ہیں۔ اس انصاری صحابی نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تو سچا ہے یہ تیری آسمانی مدد تھی پس اس دن ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ ”بدر والے دن فرشتوں کا اترنا“ پھر حدیث لائے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام حضور کے پاس آئے اور پوچھا کہ بدری صحابہ کا درجہ آپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اور مسلمانوں سے بہت افضل حضرت جبرئیل نے فرمایا اس طرح بدر میں آنے والے فرشتے بھی اور فرشتوں میں افضل گئے جاتے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت حاطب بن ابولبتہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا مشورہ رسول اللہ ﷺ کو دیا تو آپ نے فرمایا وہ تو بدری صحابی ہیں تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ نے بدریوں پر نظر ڈالی اور فرمایا تم جو چاہے کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

پھر فرماتا ہے کہ فرشتوں کا بھیجا اور تمہیں اس کی خوشخبری دینا صرف تمہاری خوشی اور اطمینان دل کے لئے تھا ورنہ اللہ تعالیٰ ان کو بھیجے بغیر بھی اس پر قادر ہے جس کی چاہے مدد کرے اور اسے غالب کر دے بغیر نصرت پروردگار کے کوئی فتح نہیں پاسکتا اللہ ہی کی طرف سے مدد ہوتی ہے۔ جیسے فرمان ہے فاذا لقیتم الذین کفروا الخ کافروں سے جب میدان (جنگ) ہو تو گردن مارنا ہے جب اس میں کامیابی ہو جائے تو پھر قید کرنا ہے اس کے بعد یا احسان کے طور پر چھوڑ دینا یا فدیہ لے لینا ہے یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے یا ظاہری صورت ہے اگر رب چاہے تو آپ ہی ان سے بدلے لے لے لیکن وہ ایک سے ایک کو آزار رہا ہے اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے انہیں اللہ تعالیٰ راہ دکھائے گا اور انہیں خوشحال کر دے گا اور جان پہچان کی جنت میں لے جائے گا۔

اور آیت میں ہے وتلك الديام ندا ولها بين الناس الخ یہ دن ہم لوگوں میں گھماتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ لے اور شہیدوں کو الگ کر لے ظالموں سے اللہ ناخوش رہتا ہے۔ اس میں ایمانداروں کا امتیاز ہو جاتا ہے اور یہ کفار کے مٹانے کی صورت ہے۔ جہاد کا شرعی فلسفہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو موحدوں کے ہاتھوں سزا دیتا ہے اس سے پہلے عام آسمانی عذابوں سے وہ ہلاک کر دیئے جاتے

تھے جیسے قوم نوح پر طوفان آیا، عاد والے آندھی میں تباہ ہوئے، ثمودی بیخ سے غارت کر دیئے گئے، قوم لوط پر پتھر بھی برسے زمین میں بھی دھنسائے گئے اور ان کی بستیاں الٹ دی گئیں، قوم شعیب پر ابر کا عذاب آیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں دشمنان دین مع فرعون اور اس کی قوم اور اس کے لشکروں کے ڈبو دیئے گئے۔ اللہ نے توراہ اتاری اور اس کے بعد سے اللہ کا حکم جاری ہو گیا جیسے فرمان ہے ولقد اتینا موسیٰ الكتاب من بعد ما اهلکنا القرون الا ولی بصائر پہلی بستیوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو سونے سمجھنے کی بات تھی۔ پھر سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دینا شروع کی تاکہ مسلمانوں کے دل صاف ہو جائیں اور کافروں کی ذلت اور بڑھ جائے، جیسے اس امت کو اللہ جل شانہ کا حکم ہے قاتلوهم یعذبهم اللہ بایدیکم الخ اے مومنو! ان سے جہاد کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سزا دے گا، انہیں ذلیل کرے گا اور تمہیں ان پر مدد عطا فرما کر مومنوں کے سینے صاف کر دے گا۔ اس میدان بدر میں گھمنڈ و نخوت کے پتلوں کا کفر کے سرداروں کا ان مسلمانوں کے ہاتھ قتل ہونا جن پر ہمیشہ ان کی نظریں ذلت و حقارت کے ساتھ پڑتی رہیں، کچھ کم نہ تھا ابو جہل اگر اپنے گھر میں اللہ کے کسی عذاب سے ہلاک ہو جاتا تو اس میں وہ شان نہ تھی جو معرکہ قتال میں مسلمانوں کے ہاتھوں گلے ہونے میں ہے۔

جیسے کہ ابولہب کی موت اسی طرح کی واقع ہوئی تھی کہ اللہ کے عذاب میں ایسا سزا کہ موت کے بعد کسی نے نہ تو اسے نہلایا نہ دنیا یا بلکہ دور سے پانی ڈال کر لوگوں نے پتھر پھینکنے شروع کئے اور انہیں میں وہ دب گیا۔ اللہ عزت والا ہے، پھر اس کا رسول اور ایماندار دنیا و آخرت میں عزت اور بھلائی ان ہی کے حصے کی چیز ہے جیسے ارشاد ہے انا لننصر رسلنا الخ ہم ضرور بہ ضرور اپنے رسولوں کی ایماندار بندوں کی اس جہان میں اور اس جہان میں مدد فرمائیں گے۔ اللہ حکیم ہے، گو وہ قادر تھا کہ بغیر تمہارے لڑے بھڑے کفار کو ملیا میٹ کر دے، لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے جو وہ تمہارے ہاتھوں انہیں ڈھیر کر رہا ہے۔

اِذْ يُغَشِّيكُمُ الثُّعَاسُ اٰمَنَةً مِّنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ
مَاءً لِّيُطَهِّرَکُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْسَ الشَّيْطٰنِ
وَلِيُرِيْطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝۱۵ اِذْ يُوحٰی رَبُّکَ
اِلٰی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنۡیۡ مَعَکُمْ فَتَثَبَتُوْا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا سَالَتْنِیۡ
فِیۡ قُلُوْبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوْا الرَّعْبَ فَاَضْرَبُوْا فَوْقَ
الْاَعْنَاقِ وَاَضْرَبُوْا مِنْهُمۡ کُلَّ بَنٰنٍ ۝۱۶ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَاقُوْا
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۱۷ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیۡنَ
عَذَابَ النَّارِ ۝۱۸

جبکہ اس نے اپنے پاس سے تمہاری تسکین کے لئے تم پر اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے بارش برسائی کہ تمہیں اس سے پاک صاف کر دے اور تم سے شیطانی آلودگی

کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جمادے ○ جبکہ تیرے پروردگار نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس تم گردنوں کے اوپر دوڑا لگاؤ اور ان کی پور پور پرضرب لگاؤ ○ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ بھی بڑی سخت مار مارنے والا ہے ○ یہ ہے اس کا ذائقہ تم چکھتے رہو بیشک کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے ○

تائید الہی کے بعد فتح و کامرانی ☆ ☆ (آیت: ۱۱-۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے احسانات بیان فرماتا ہے کہ اس جنگ بدر میں جبکہ اپنی کمی اور کافروں کی زیادتی اپنی بے سروسامانی اور کافروں کے پر شوکت سروسامان دیکھ کر مسلمانوں کے دل پر برا اثر پڑ رہا تھا پروردگار نے ان کے دلوں کے اطمینان کے لئے ان پر اونگھ ڈال دی۔ جنگ احد میں بھی یہی حال ہوا تھا جیسے فرمان ہے ثم انزل علیکم من بعد الغم امانة نعاसा یغشی الخ یعنی پورے غم ورنج کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو اونگھ کی صورت میں تمہیں ڈھانپنے ہوئے تھا ایک جماعت اسی میں مشغول تھی۔ حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد والے دن اونگھ غالب آ گئی تھی اس وقت نیند میں جھوم رہا تھا میری تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑتی تھی اور میں اٹھاتا تھا میں نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ لوگ ڈھالیں سروں پر رکھے ہوئے نیند کے جھولے لے رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر والے دن ہمارے پورے لشکر میں گھڑ سوار صرف ایک ہی حضرت مقدادؓ تھے میں نے نگاہ بھر کر دیکھا کہ سارا لشکر نیند میں مست ہے صرف رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے آپ ایک درخت تلے نماز میں مشغول تھے روتے جاتے تھے اور نماز پڑھتے جاتے تھے صبح تک آپ اسی طرح مناجات میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن کا ملنا ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حرکت ہے اونگھ صرف آنکھوں میں ہی ہوتی ہے اور نیند کا تعلق دل سے ہے یہ یاد رہے کہ اونگھ آنے کا مشہور واقعہ تو جنگ احد کا ہے لیکن اس آیت میں جو بدر کے واقعہ کے قصے کے بیان میں ہے اونگھ کا اثر نا موجود ہے۔ پس سخت لڑائی کے وقت یہ واقعہ ہوا اور مومنوں کے دل اللہ کے عطا کردہ امن سے مطمئن ہو گئے یہ بھی مومنوں پر اللہ کا فضل و کرم اور اس کا لطف و رحم تھا صبح ہے سختی کے بعد آسانی ہے صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ رسول کریم ﷺ ایک چھپر تلے دعا میں مشغول تھے جو حضورؐ کو گھننے لگے تھوڑی دیر میں جاگے اور تبسم فرما کر حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا خوش ہو یہ ہیں جبرئیل (علیہ السلام) گرد آلود پھر آیت قرآنی سَبِّهْنٰهُمْ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبْرَ پڑھتے ہوئے جھوپڑے کے دروازے سے باہر تشریف لائے یعنی ابھی ابھی یہ لشکر شکست کھائے گا اور پینچہ پھیر کر بھاگے گا۔ دوسرا احسان اس جنگ کے موقعہ پر یہ ہوا کہ بارش برس گئی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم تو اپنے آپ کو اللہ والے سمجھتے ہو اور اللہ کے رسولؐ کو اپنے میں موجود مانتے ہو اور حالت یہ ہے کہ پانی تک تمہارے قبضے میں نہیں؟ مشرکین کے ہاتھ میں پانی ہے تم نماز بھی جنبی ہونے کی حالت میں پڑھ رہے ہو تو ایسے وقت آسمان سے بیڑہ برسا شروع ہوا اور پانی کی ریل پیل ہو گئی مسلمانوں نے پانی پیا بھی پلایا بھی نہاد دھو کر پاکی بھی حاصل کر لی اور پانی بھر بھی لیا اور شیطانی وسوسہ بھی زائل ہو گیا اور جو چکنی مٹی پانی کے راستے میں تھی دھل کر وہاں کی سخت زمین نکل آئی اور ریت جم گئی کہ اس پر آمد و رفت آسان ہو گئی اور فرشتوں کی امداد آسمان سے آ گئی پانچ سو فرشتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ماتحتی میں اور پانچ سو حضرت میکائیل کی ماتحتی میں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ جب بدر کی طرف تشریف لے چلے تو سب سے پہلے جو پانی تھا وہاں

ٹھہرے، حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کو اللہ کا حکم یہاں پڑاؤ کرنے کا ہوا تب تو خیر اور اگر جنگی مصلحت کے ساتھ پڑاؤ کیا ہو تو آپ اور آگے چلئے۔ آخری پانی پر قبضہ کیجئے۔ وہیں حوض بنا کر یہاں کے سب پانی وہاں جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی کے بغیر رہ جائے گا اور آپ نے یہی کیا بھی۔ مغازی اموی میں ہے کہ اس رائے کے بعد جبرئیل کی موجودگی میں ایک فرشتے نے آ کر آپ کو سلام پہنچایا اور اللہ کا حکم بھی کہ یہی رائے ٹھیک ہے، آپ نے اس وقت حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ آپ انہیں جانتے ہیں؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا، میں آسمان کے تمام فرشتوں سے واقف نہیں ہوں۔ ہاں ہے تو یہ فرشتہ، شیطان نہیں، شیطان نہیں، سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ مشرکین دھلوان کی طرف تھے اور مسلمان اونچائی کی طرف بارش ہونے سے مسلمانوں کی طرف تو زمین دھل کر صاف ہو گئی اور پانی سے انہیں نفع پہنچا لیکن مشرکین کی طرف پانی کھڑا ہو گیا، کچھ اور پھسلن ہو گئی کہ انہیں چلنا پھرنا دو بھر ہو گیا حضرت مجاہد کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش اونگھ سے پہلے نازل کی، غبار جم گیا، زمین سخت ہو گئی، دلوں میں خوشی پیدا ہو گئی، ثابت قدمی میسر ہو چکی، اب اونگھ آنے لگی اور مسلمان تازہ دم ہو گئے۔ صبح لڑائی ہونے والی تھی رات کو ہلکی سی بارش ہو گئی، ہم درختوں تلے جا چھپے، حضور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہے، یہ اس لئے کہ اللہ تمہیں پاک کر دئے، وضو بھی کر لو اور غسل بھی، اس ظاہری پاکی کے ساتھ ہی باطنی پاکیزگی بھی حاصل ہوئی، شیطانی وسوسے بھی دور ہو گئے، دل مطمئن ہو گئے، جیسے کہ جنتیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ عَلَيْهِمُ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرًا ح ان کے بدن پر سبز پارک اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے نگن پہنائے جائیں گے اور انہیں ان کا رب پاک صاف شربت پلائے گا پس لباس اور زیور تو ظاہری زینت کی چیز ہوئی اور پاک کرنے والا پانی جس سے دلوں کی پاکیزگی اور حسد و بغض کی دوری ہو جائے، یہ تھی باطنی زینت۔

پھر فرماتا ہے کہ اس سے مقصود دلوں کی مضبوطی بھی تھی کہ صبر و برداشت پیدا ہو شجاعت و بہادری ہو دل بڑھ جائے۔ ثابت قدمی ظاہر ہو جائے اور حملے میں استقامت پیدا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ پھر اپنی ایک باطنی نعمت کا اظہار فرما رہا ہے تاکہ مسلمان اس پر بھی اللہ کا شکر بجا لائیں کہ اللہ تعالیٰ تبارک و تقدس و تجدد نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور مسلمانوں کی مدد و نصرت کرو ان کے ساتھ مل کر ہمارے دشمنوں کو نیچا دکھاؤ، ان کی گنتی گناؤ اور ہمارے دوستوں کی تعداد بڑھاؤ۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بددی پھیلی ہوئی ہے، وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں جم سکتے۔ ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اب ہر ایک دوسرے سے کہتا، دوسرا تیسرے سے، پھر چارے کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت و قوت نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم اس کام میں لگو، ادھر میں مشرکوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دوں گا، میں ان کے دلوں میں ذلت اور حقارت ڈال دوں گا، میرے حکم کے نہ ماننے والوں کا میرے رسول کے منکروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر تم ان کے سروں پر وار لگا کر دماغ نکال دو، گردنوں پر تلوار مار کر سر اور دھڑ میں جدائی کر دو، ہاتھ پاؤں اور جوڑ جوڑ پور پور کوتا کوتا کر کر زخم لگاؤ۔ پس گردنوں کے اوپر سے بعض کے نزدیک مراد تو سر ہیں اور بعض کے نزدیک خود گردن مراد ہے۔ چنانچہ اور جگہ ہے فَضْرَبَ الرِّقَابِ گردنیں مارو۔ حضور فرماتے ہیں، میں قدرتی عذابوں سے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا نہیں گیا بلکہ گردن مارنے اور قید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ گردن پر اور سر پر وار کرنے کا استدلال اس سے ہو سکتا ہے۔ مغازی اموی میں ہے کہ مقتولین بدر کے پاس سے جب رسول اللہ ﷺ گذرے تو ایک شعر کا ابتدائی لکڑا آپ نے پڑھ دیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا شعر پڑھ دیا، آپ کو نہ شعر یاد تھے نہ آپ کے لائق۔ اس شعر کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ ظالم اور باغی تھے اور آج تک غلبے اور شوکت سے تھے، آج ان کے سر ٹوٹے ہوئے اور

ان کے دماغ کبھرے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو مشرک لوگ فرشتوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے انہیں مسلمان اس طرح پہچان لیتے تھے کہ ان کی گردنوں کے اوپر اور ہاتھ پیروں کے جوڑ ایسے زخم زدہ تھے جیسے آگ سے جلے ہونے کے نشانات۔ بنان جمع ہے بنانہ کی۔ عربی شعروں میں بنانہ کا استعمال موجود ہے پس ہر جوڑ اور ہر حصے کو بنان کہتے ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں منہ پر آنکھ پر آگ کے کوڑے برسائے ہاں جب انہیں گرفتار کر لو پھر نہ مارنا۔ ابو جہل ملعون نے کہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو زندہ گرفتار کر لو تا کہ ہم انہیں اس بات کا مزہ زیادہ دیر تک چکھائیں کہ وہ ہمارے دین کو برا کہتے تھے ہمارے دین سے ہٹ گئے تھے لات وعزنی کی پرستش چھوڑ بیٹھے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور فرشتوں کو یہ حکم دیا۔

چنانچہ جوستر آدمی ان کافروں کے قتل ہوئے ان میں ایک یہ پاجی بھی تھا اور جوستر آدمی قید ہوئے ان میں ایک عقبہ بن ابی معیط بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قید میں ہی قتل کیا گیا اور اس سمیت مقتولین مشرکین کی تعداد ستر ہی تھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کا نتیجہ اور بدلہ یہ ہے۔ شقاق ماخوذ ہے شق سے شق کہتے ہیں پھاڑنے چیرنے اور دو ٹکڑے کرنے کو پس ان لوگوں نے گویا شریعت ایمان اور فرمانبرداری کو ایک طرف کیا اور دوسری جانب خود ہے۔ لکڑی کے پھاڑنے کو بھی عرب یہی کہتے ہیں جبکہ لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف چل کر کوئی بیخ نہیں سکا کون ہے جو اللہ سے چھپ جائے اور اس کے بے پناہ اور سخت عذابوں سے بچ جائے؟ نہ کوئی اس کے مقابلے کا نہ کسی کو اس کے عذابوں کی طاقت نہ اس سے کوئی بیخ نکلے نہ اس کا غضب کوئی سہہ سکے وہ بلند و بالا وہ غالب اور انتقام والا ہے اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں وہ اپنی ذات میں اپنی صفوں میں یکتا اور لا شریک ہے۔ اے کافر و دنیا کے یہ عذاب اٹھاؤ اور ابھی آخرت میں دوزخ کا عذاب باقی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُولُوهُمُ الْآدْبَارَ ۗ وَمَنْ يُؤَلِّمِهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبرَهُ إِلَّا مَتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مَتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۗ

اے مومنو جب کافروں سے دستی جنگ ہونے لگے تو خرداران سے پیٹھ نہ پھیرنا ۱۵-۱۶ ایسے دن جو بھی ان سے منہ موڑے سوائے ان کے جوڑائی کے لئے داؤ گھات کرتے ہوں یا جو اپنے لشکر سے ملنا چاہتے ہوں وہ غضب اللہ لے کر مڑتا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو جاتا ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے ۱۷

شہیدان و فاکہ قصبے ☆ ☆ (آیت: ۱۵-۱۶) جہاد کے میدان میں جو مسلمان بھی بھاگ کھڑا ہو اس کی سزا اللہ کے ہاں جہنم کی آگ ہے۔ جب لشکر کفار سے ٹکرائے ہو جائے اس وقت پیٹھ پھیرنا حرام ہے ہاں اس شخص کے لئے جو فن جنگ کے طور پر پینتر ابدلے یا دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر موقعہ پر وار کرنے کے لئے بھاگے یا اس طرح لشکر کا لشکر پیچھے بٹے اور دشمن کو گھات میں لے کر پھر ان پر اچانک چھاپے مار دے تو بے شک اس کے لئے پیٹھ پھیرنا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں جانا ہو جہاں چھوٹے لشکر سے بڑے لشکر کا کراؤ ہو یا اپنے امیر سے ملنا ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا میں بھی اس میں ہی تھا لوگوں میں بھگدڑ مچی میں بھی بھاگا ہم لوگ بہت ہی نادم ہوئے کہ ہم اللہ کی راہ سے

بھاگے ہیں اللہ کا غضب ہم پر ہے، ہم اب مدینے جائیں اور وہاں رات گزار کر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوں اگر ہماری توبہ کی کوئی صورت نکل آئے تو خیر ورنہ ہم جنگوں میں نکل جائیں۔ چنانچہ نماز فجر سے پہلے ہم جا کر بیٹھ گئے، جب حضور ﷺ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا بھاگنے والے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم لوٹنے والے ہو میں تمہاری جماعت ہوں اور میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں، ہم نے بے ساختہ آگے بڑھ کر حضور کے ہاتھ چوم لئے ابو داؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن کہہ کر فرماتے ہیں، ہم اسے ابن ابی زیاد کے علاوہ کسی کی حدیث سے پہچانتے نہیں۔

ابن ابی حاتم میں حضور کے اس فرمان کے بعد آپ کا اس آیت کا تلاوت کرنا بھی مذکور ہے۔ حضرت ابو عبیدہ جنگ فارس میں ایک پل پر گھیر لئے گئے، مجوسیوں کے نڈی دل لشکروں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا، موقعہ تھا کہ آپ ان میں سے بچ کر نکل آتے لیکن آپ نے مردانہ وار اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش فرمایا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا، اگر وہ وہاں سے میرے پاس چلے آتے تو ان کے لئے جائز تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی جماعت ہوں، مجھ سے مل جانے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، لوگو! میں تمہارے لئے وہ جماعت ہوں کہ میدان جنگ سے اگر تم میرے پاس آ جاؤ، آ سکتے ہو۔ اور روایت میں ہے، میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ تم اس آیت کا غلط مطلب نہ لینا، یہ واقعہ بدر کے متعلق ہے۔ اب تمام مسلمانوں کے لئے وہ فتنہ (جماعت، گروہ) جس کی طرف پناہ لینے کے لئے واپس مڑنا جائز ہے، میں ہوں۔

ابن عمرؓ سے نافع نے سوال کیا کہ ہم لوگ دشمن کی لڑائی کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فتنہ سے مراد امام لشکر ہے یا مسلمانوں کا جنگی مرکز، آپ نے فرمایا، فتنہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری ہے۔ نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ ضحاک فرماتے ہیں، جو لشکر کفار سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے پاس پناہ لے اس کے لئے جائز ہے۔ آج بھی امیر اور سالار لشکر کے پاس یا اپنے مرکز میں جو بھی آئے اس کے لئے یہی حکم ہے، ہاں اس صورت کے سوا نامردی اور بزدلی کے طور پر لشکر گاہ سے جو بھاگ کھڑا ہو، لڑائی میں پشت دکھائے وہ جہنمی ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے وہ حرمت کے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سات گناہوں سے جو مہلک ہیں، بچتے رہو، پوچھا گیا کہ وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جاؤ (کرنا یا کرانا)، کسی کو ناحق مار ڈالنا، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہونا، ایماندار پاک دامن بے عیب عورتوں پر تہمت لگانا فرمان ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ لے کر لوٹتا ہے، اس کی لوٹنے اور رہنے سہنے کی جگہ جہنم ہے جو بہت ہی بدتر ہے۔ بشیر بن معبد کہتے ہیں، میں حضور کے ہاتھ پر بیعت کرنے آیا تو آپ نے شرط بیان کی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت اور محمد ﷺ کی عبدیت و رسالت کی شہادت، دوں پانچوں وقت کی نماز قائم رکھوں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور حج مطابق اسلام، رسول اور رمضان المبارک کے مہینے کے روزے رکھوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں، میں نے کہا یا رسول اللہ! اس میں سے دو کام میرے بس کے نہیں۔ ایک تو جہاد دوسرے زکوٰۃ، میں نے تو سنا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھانے والا اللہ کے غضب میں آ جاتا ہے، مجھے تو ڈر ہے کہ موت کا بھیا تک مال کہیں کسی وقت میرا منہ نہ پھیر دے اور مال غنیمت اور عشر ہی میرے پاس ہوتا ہے وہ ہی میرے بچوں اور گھر والوں کا اثاثہ ہے۔ سواری لیں اور دو دھ پیئیں۔ اسے میں کسی کو کیسے دے دوں۔ آپ نے اپنا ہاتھ ہلا کر فرمایا، جب جہاد بھی نہ ہو اور صدقہ بھی نہ ہو تو جنت کیسے مل جائے؟ میں نے کہا اچھا یا رسول اللہ! سب شرطیں منظور ہیں چنانچہ میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں، مسند احمد میں ہے اور اس سند سے غریب ہے۔

طبرانی میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ تین گناہوں کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اللہ کے ساتھ شرک ماں باپ کی نافرمانی، لڑائی سے بھاگنا یہ حدیث بھی بہت غریب ہے۔ اسی طبرانی میں ہے آپ فرماتے ہیں جس نے استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو واتوب الیہ پڑھ لیا، اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں گودہ لڑائی سے بھاگا ہو، ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذی اسے غریب بتاتے ہیں اور آنحضرت کے مولیٰ زید اس کے راوی ہیں ان سے اس کے سوا کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بھاگنے کی حرکت کا یہ حکم صحابہ کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے کہ ان پر جہاد فرض عین تھا اور کہا گیا ہے کہ انصار کے ساتھ ہی مخصوص تھا اس لئے کہ ان کی بیعت سننے اور ماننے کی تھی خوشی میں بھی اور ناخوشی میں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بدری صحابہ کے ساتھ یہ خاص تھا کیونکہ ان کی کوئی جماعت تھی ہی نہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ اے اللہ اگر تو اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ حضرت حسن فرماتے ہیں یومئذ سے مراد بدر کا دن ہے۔ اب اگر کوئی اپنی بڑی جماعت کی طرف آ جائے یا کسی قلعے میں پناہ لے تو میرے خیال میں تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ بدر والے دن جو بھاگے، اس کے لئے دوزخ واجب تھی اس کے بعد جنگ احد ہوئی۔ اس وقت یہاں اتریں اِنَّ الَّذِیْنَ نَوَلُّوا مِنْكُمْ سے عفا اللہ عنہم تک۔ اس کے سات سال بعد جنگ حنین ہوئی جس کے بارے میں قرآنی ذکر ہے ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِیْنَ پھر اللہ نے جس کی چاہی تو بے قول فرمائی۔ ابوداؤد نسائی، مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ ابوسعید فرماتے ہیں یہ آیت بدریوں کے بارے میں اتری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ گو یہ مان لیا جائے کہ سب نزول اس آیت کا بدری لوگ ہیں مگر لڑائی سے منہ پھیرنا تو حرام ہے جیسے کہ اس سے پہلے حدیث میں گذرا کہ سات ہلاک کرنے والے گناہوں میں ایک یہ بھی ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ واللہ اعلم۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ
وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا
اِنَّ اللَّهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ ذَلِكُمْ وَاَنْتَ اللَّهُ مُوْهِنُ
كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

پس تم نے ان کا قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور تو نے جب پھینکی تھی تو تو نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینک ماری تھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بہترین اور عمدہ احسان کرنا چاہتا تھا اللہ ہے سننے جاننے والا یہ تو ہو چکا ○ اب بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کفار کے جیلوں کو پست دست کرنے والا ہے ○

اللہ کی مدد ہی وجہ کامرانی ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۷-۱۸) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ بندوں کے کل کاموں کا خالق میں ہی ہوں بندوں سے جو بھی اچھائیاں سرزد ہوں اس پر قابل تعریف وہی ہے اس لئے کہ توفیق اسی کی طرف سے ہے اور اعانت و مدد بھی اسی کی جانب سے ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم نے آپ اپنی طاقت و قوت سے اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا، تم تو مٹھی بھرتے اور دشمن بہت زیادہ تھے، تم بے کس اور کمزور تھے دشمن کس بل والے، قوت طاقت والے تھے۔ یہ اللہ ہی کی مدد تھی کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ اِنَّ اللَّهَ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ اِنْ كُنْتُمْ لَاصِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ حنین کے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی زیادتی پر گھمٹا ہوا لیکن وہ بے کار ثابت ہوئی اور یہ

وسیع زمین تم پر تنگ ہوگئی اور آخر منہ موز کر تم بھاگ کھڑے ہوئے پس ثابت ہوا کہ کنتی کی زیادتی، ہتھیاروں کی عمدگی اور ساز و سامان کی فراوانی پر غلبہ موقوف نہیں، وہ تو اللہ کی مدد پر موقوف ہے۔ جیسے ارشاد الہی ہے کہ مِّنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئْتَهُ كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ یعنی بسا اوقات چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے لشکروں کے منہ پھیر دیئے ہیں اور ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے یہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے پھر منیٰ کی اس مٹھی کا ذکر ہو رہا ہے جو حضور ﷺ نے بدر کی لڑائی میں کافروں کی طرف پھینکی تھی۔ پہلے تو آپ نے اپنی جھونپڑی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی، روئے، گڑ گڑائے اور مناجات کر کے باہر نکلے اور کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے بگڑ جائیں ان کے منہ پھر جائیں ساتھ ہی صحابہ کو حکم دیا کہ فوراً حملہ کرو، ادھر حملہ ہوا، ادھر سے وہ کنکریاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کافروں کی آنکھوں میں ڈال دیں، وہ سب اپنی آنکھیں مل ہی رہے تھے کہ لشکر اسلام ان کے سر پر پہنچ گیا۔ پس فرماتا ہے کہ وہ مٹھی تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی یعنی پھینکی تو حضور نے لیکن ان کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں شکست دینے والا اللہ تعالیٰ ہی تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، جس میں یہ بھی کہا کہ اے میرے پروردگار! اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کبھی بھی تیری عبادت زمین پر نہ کی جائے گی، اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، یا رسول اللہ! آپ ایک مٹھی زمین سے مٹی کی بھر لیں اور ان کے منہ کی طرف پھینک دیں چنانچہ آپ نے یہی کیا، بس مشرکین کے سارے لشکر کے منہ آدھ اور ننھوں میں وہ مٹی گھس گئی اور انہیں پیٹھ پھیرتے ہی بنی۔ سدیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں حضرت علیؓ سے فرمایا، کنکریوں کی ایک مٹھی زمین سے بھر کر مجھے دو، حضرت علیؓ نے مٹھی بھری جس میں کنکریاں بھی تھیں اور مٹی بھی، آپ نے مشرکوں کی طرف وہ مٹھی پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں، ادھر سے مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور قتل کرنا اور قیمہ کرنا شروع کر دیا، اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ یہ تیرے بس کی بات نہ تھی بلکہ یہ اللہ کے بس کی چیز تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ تین کنکر لے کر آپ نے پھینکے تھے، ایک دائیں ایک بائیں ایک بیچ میں گونین والے دن بھی آپ نے کنکریاں مشرکوں کی طرف پھینکی تھیں لیکن یہاں ذکر جنگ بدر کے ان کا ہے حکیم بن حزام کا بیان ہے کہ جنگ بدر کے دن ہم نے ایک آواز سنی کہ گویا آسمان سے کوئی کنکر کسی طشت میں گرا، اسی وقت حضور کی پھینکی ہوئی کنکریاں ہم میں پہنچیں اور ہمیں شکست ہوئی۔ یہ روایت اس سند سے بہت غریب ہے یہاں دو قول اور بھی ہیں لیکن بالکل غریب ہیں، ایک تو یہ کہ خیبر کی جنگ کے موقع پر یوم ابن ابی العقیق میں رسول اللہ ﷺ نے ایک کمان منگائی، لوگوں نے بہت لمبی کمان لا کر آپ کو دی، آپ نے اس سے قلعے کی طرف تیر پھینکا، وہ گھومتا ہوا چلا اور سردار قلعہ ابو العقیق کو اس کے گھر میں اس کے بسترے پر جا کر لگا اور اسی سے وہ مرا، اس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ وہ تیر تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکا تھا، یہ روایت غریب ہے ممکن ہے راوی کو شبہ ہو گیا ہو یا مراد ان کی یہ ہو کہ یہ آیت عام ہے یہ واقعہ بھی اسی میں شامل ہے، ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سورہ انفال کی اس آیت میں جنگ بدر کے بیان کا ذکر ہے، تو یہ واقعہ اسی جنگ بدر کا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے واللہ اعلم۔

دوسرا غریب قول یہ ہے کہ احد کی لڑائی والے دن آنحضرت ﷺ نے ابی بن خلف کو ایک نیزہ مارا تھا، یہ لوہے میں غرق تھا لیکن تاہم نیزہ اس کے تالو پر جا لگا اور یہ گھوڑے سے لڑھکنے لگا، اسی میں اس کی موت ہوئی، اس دنیوی عذاب کے ساتھ ہی آخرت کا عذاب بھی شامل ہو گیا لیکن غالباً اس قول سے مراد آیت کا عام ہونا ہے نہ یہ کہ اسی بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے 'تا کہ مومنوں کو اپنی نعمت کا اقرار کر دے کہ باوجود ان کی کثرت ان کی قلت ان کے ساز و سامان ان کی بے سروسامانی کے رب العالمین نے انہیں ان پر غالب کر دیا۔ حدیث میں ہے ہر ایک امتحان ہمارا امتحان ہے اور ہم پر اللہ کا احسان ہے۔ اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ مدد اور غلبے کا مستحق کون ہے۔ پھر فرماتا ہے اس فتح کے ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے حیلے حوالے کمزور کر دے گا ان کی شان گھٹا دے گا ان کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا اور یہی ہوا بھی۔ فالحمد للہ۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا
فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِي
عَنكُمْ فَيْتُكُمْ شَيْئًا وَ لَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُؤْمِنِينَ ۝

تم جو فتح مانگا کرتے تھے تو اب تمہارے سامنے ہی فتح ہو گئی اب بھی اگر تم باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھرو لو گے تو ہم بھی پھروائیں گے یقین مانو کہ تمہارا جتنا کوکتنا ہی بڑا ہو تمہیں کچھ بھی تو نفع نہ پہنچا سکے گا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے ۝

ایمان والوں کا معین و مددگار اللہ عز اسمہ: ☆ ☆ (آیت ۱۹) اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہا ہے کہ تم یہ دعائیں کرتے تھے کہ ہم میں اور مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے جو حق پر ہو اسے غالب کر دے اور اس کی مدد فرمائے تو اب تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو گئی، مسلمان مجھ الہی اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے۔ ابو جہل نے بدر والے دن کہا تھا کہ اے اللہ ہم میں سے جو رشتوں ناتوں کا توڑنے والا ہو اور غیر معروف چیز لے کر آیا ہو اسے تو کل کی لڑائی میں شکست دے، پس اللہ تعالیٰ نے یہی کیا اور یہ اور اس کا لشکر ہار گئے۔ مکہ سے نکلنے سے پہلے ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی تھی کہ الہی دونوں لشکروں میں سے تیرے نزدیک جو اعلیٰ ہو اور زیادہ بزرگ ہو اور زیادہ بہتری والا ہو تو اس کی مدد کر، پس اس آیت میں ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ لو اللہ کی مدد آ گئی تمہارا کہا ہوا پورا ہو گیا، ہم نے اپنے نبی کو جو ہمارے نزدیک بزرگ بہتر اور اعلیٰ تھا غالب کر دیا۔ خود قرآن نے ان کی دعا نقل کی ہے کہ یہ کہتے تھے اللھم ان کان هذا هو الحق من عندك انج الہی اگر یہ تیری جانب سے راست ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر اب بھی تم اپنے کفر سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول کو نہ جھٹلاؤ تو دونوں جہان میں بھلائی پاؤ گے اور اگر پھر تم نے یہی کفر و گمراہی کی تو ہم بھی اسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں تمہیں پست کریں گے، اگر تم نے پھر اسی طرح فتح مانگی تو ہم پھر اپنے نیک بندوں پر اپنی مدد اتاریں گے، لیکن پہلا قول توی ہے یاد رکھو، تم سب کے سب مل کر چڑھائی کرو تمہاری تعداد کتنی ہی بڑھ جائے، اپنے تمام لشکر جمع کر لو لیکن سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ خالق کائنات مسخوں کے ساتھ ہے اس لئے کہ وہ اس کے رسول کے ساتھ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنهُ
وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا
وَلَمْ نَسْمَعْ

وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمَمُ
الْبِكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ
وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باوجود سننے کے تم اس سے روگردانی نہ کرو ○ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے باوجود نہ سننے کے کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا ○ یقیناً تمام جان داروں سے زیادہ برے اللہ کے نزدیک وہ بہرے گوئے ہیں جو کچھ بھی عقل نہیں رکھتے ○ اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھی بھلائی ہوتی تو وہ انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر وہ انہیں سنوائے بھی جب بھی یہ تو منہ موڑ کر اٹلے بھاگیں گے ○

اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق: ☆ ☆ (آیت: ۲۰-۲۳) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کا حکم دیتا ہے اور مخالفت سے اور کافروں جیسا ہونے سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اطاعت کو نہ چھوڑو و تابع داری سے منہ نہ موڑو جن کاموں سے اللہ اور اس کا رسول روک دے رک جایا کرو سن کر ان سنی نہ کر دیا کرو مشرکوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ سننا نہیں اور کہہ دیا کہ سن لیا نہ منافقوں کی طرح بنو کہ بظاہر ماننے والا ظاہر کر دیا اور درحقیقت یہ بات نہیں۔ بدترین مخلوق جانوروں کیڑے مکوڑوں سے بھی برے اللہ کے نزدیک ایسے ہی لوگ ہیں جو حق باتوں سے اپنے کان بہرے کر لیں اور حق کے سمجھنے سے گونگے بن جائیں بے عقلی سے کام لیں اس لئے کہ تمام جانور بھی اللہ قادر کل کے زیر فرمان ہیں جو جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اس میں مشغول ہے مگر یہ ہیں کہ پیدا کئے گئے عبادت کے لئے لیکن کفر کرتے ہیں چنانچہ اور آیت میں انہیں جانوروں سے تشبیہ دی گئی فرمان ہے مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً الخ کافروں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی انہیں آواز دے تو سوائے پکار اور ندا کے کچھ نہ سنیں۔ اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے اور غافل۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد اس سے بنو عبدالدار کے قریشی ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں مراد اس سے منافق ہیں۔ بات یہ ہے کہ مشرک منافق دونوں ہی مراد ہیں دونوں میں صحیح فہم اور سلامتی والی عقل نہیں ہوتی نہ ہی عمل صالح کی انہیں توفیق ہوتی ہے اگر ان میں بھلائی ہوتی تو اللہ انہیں سنا دیتا لیکن نہ ان میں بھلائی نہ توفیق الہی اللہ جل شانہ کو علم ہے کہ انہیں سنایا بھی سمجھایا بھی تو بھی یہ اپنی کسرشی سے باز نہیں آئیں گے بلکہ اور اکڑ کر بھاگ جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ
لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کو قبول کرو جو بھی وہ تمہیں پکارے اس کام کے لئے جس میں تمہاری زندگی ہے جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور یہ بھی جان رکھو کہ تم سب اسی کی جانب اکٹھے کئے جاؤ گے ○

دل رب کی انگلیوں میں ہیں: ☆ ☆ (آیت: ۲۳) صحیح بخاری شریف میں ہے اسْتَجِيبُوا معنی میں اجیبوا کے ہے لِمَا يُحْيِيكُمْ کے معنی میں بما یصلحکم کے ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول تمہیں جب آواز دے تم جواب دو اور مان لو کیونکہ اس کے فرمان کے ماننے

میں ہی تمہاری مصلحت ہے۔ حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تھا، آنحضرت ﷺ میرے پاس سے گزرنے مجھے آواز دی، میں آپ کے پاس نہ آیا، جب نماز پڑھ چکا تو حاضر خدمت ہوا، آپ نے فرمایا تجھے کس نے روکا تھا کہ تو میرے پاس چلا آئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور اللہ کا رسول تمہیں جب آواز دیں تم قبول کر لیا کرو کیونکہ اس میں تمہاری زندگی ہے، سن میں اس مسجد سے نکلنے سے پہلے ہی میں تمہیں قرآن کی سب سے بڑی سورت سکھاؤں گا جب آنحضرت ﷺ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلایا۔

اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے اور آپ نے وہ سورت فاتحہ بتلائی اور فرمایا سات آیات دہرائی ہوئی یہی ہیں اس حدیث کا پورا بیان سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ زندگی آخرت میں نجات عذاب سے بچاؤ اور چھکارا قرآن کی تعلیم حق کو تسلیم کرنے اور اسلام لانے اور جہاد میں ہے، ان ہی چیزوں کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے اللہ انسان اور اس کے دل میں حاکم ہے یعنی مومن میں اور کفر میں، کافر میں اور ایمان میں یہ معنی ایک مرفوع حدیث میں بھی ہیں لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ قول ابن عباسؓ کا ہے مرفوع حدیث نہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یعنی اس کو اس حال میں چھوڑنا ہے کہ وہ کسی چیز کو سمجھتا نہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر نہ ایمان لا سکے نہ کفر کر سکے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت مثل آیت وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ کے ہے یعنی بندے کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہم ہیں، اس آیت کے مناسب احادیث بھی ہیں۔ مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ پر اتنی ہوتی وحی پر ایمان لا چکے ہیں، کیا پھر بھی آپ کو ہماری نسبت خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان دل ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کا تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے، ترمذی میں بھی یہ روایت کتاب القدر میں موجود ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور یہ دعا پڑھا کرتے تھے یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رکھ مسند احمد میں ہے آپ فرماتے ہیں ہر دل اللہ تعالیٰ رب العالمین کی انگلیوں سے میں دو انگلیوں کے درمیان ہے، جب سیدھا کرنا چاہتا ہے، کر دیتا ہے اور جب میڑھا کرنا چاہتا ہے، کر دیتا ہے۔ آپ کی دعا تھی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے اللہ! میرا دل اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ فرماتے ہیں، میزان رب رحمان کے ہاتھ میں ہے، جھکاتا ہے اور اونچی کرتا ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ آپ کی اس دعا کو اکثر سن کرام المؤمنین عانتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ بکثرت اس دعا کے کرنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا انسان کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جب چاہتا ہے، میڑھا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے سیدھا کر دیتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ کی اس دعا کو بکثرت سن کرام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ کیا دل پلٹ جاتے ہیں؟ آپ نے یہی جواب دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا پروردگار ہے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے بعد ہمارے دل میڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت و نعمت عطا فرمائے وہ بڑی ہی بخشش کرنے والا اور بہت انعاموں والا ہے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں میں نے حضور سے پھر درخواست کی کہ کیا آپ مجھے میرے لئے بھی کوئی دعا سکھائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ دعا مانگا کرو اللھم رب النبی محمد اغفر لی ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن ما احییتنی یعنی اے اللہ اے محمد نبی ﷺ کے پروردگار! میرے گناہ معاف فرما، میرے دل کی سختی دور کر دے، مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچالے جب تک بھی تو مجھے زندہ رکھے۔ مسند

احمد میں ہے کہ تمام انسانوں کے دل ایک ہی دل کی طرح اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہتا ہے انہیں الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے پھر آپ نے دعا کی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے اللہ ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر لے۔

**وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۵**

اس بلا سے ڈرتے رہو جو خاص کر انہی لوگوں پر نہیں آئے گی جنہوں نے تم میں سے برے کام کئے ہوں اور جان لو کہ اللہ سخت عذابوں والا ہے

برائیوں سے نہ روکنا عذاب الہی کا سبب ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۵) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے کہ اس امتحان اور اس محنت اور فتنے کا خوف رکھو جو گنہگاروں بدکاروں پر ہی نہیں رہے گا بلکہ اس بلا کی وبا عام ہوگی۔ حضرت زبیرؓ سے لوگوں نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ تمہیں کوئی چیز لائی ہے؟ تم نے مقتول خلیفہ کو دھوکہ دیا پھر اس کے خون کے بدلے کی جستجو میں تم آئے اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس آیت و اتَّقُوا الخ کو پڑھتے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے اہل ہیں یہاں تک کہ یہ واقعات رونما ہوئے اور روایت میں ہے کہ عہد نبویؐ میں ہی ہم اس آیت سے ڈرا دیئے گئے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علیؓ، عمارؓ، طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں یہ آیت ایک مدت تک پڑھی جاتی رہی لیکن ہمارا خیال یہ بھی تھا کہ اس سے مراد ہم ہیں اب معلوم ہوا کہ ہم ہی اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت خاصاً اہل بدر کے بارے میں اتری ہے کہ وہ جنگ جمل میں آپس میں خوب لڑے بھڑے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے خاص اصحاب رسول ہیں۔ فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو حکم فرما رہا ہے کہ وہ آپس میں کسی خلاف شرع کام کو باقی اور جاری نہ رہنے دیں ورنہ اللہ کے عام عذاب میں سب پکڑ لئے جائیں گے یہ تفسیر نہایت عمدہ ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں تم میں سے ہر شخص فتنے میں مشغول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں پس تم میں سے جو بھی پناہ مانگے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے ہر گمراہ کن فتنے سے پناہ طلب کر لیا کرے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس فرمان میں صحابہؓ اور غیر صحابہؓ سب کو تنبیہ ہے گو خطاب انہی سے ہے اسی پر دلالت ان احادیث کی ہے جو فتنے سے ڈرانے کے لئے ہیں گو ان کے بیان میں ائمہ کرام کی مستقل تصانیف ہیں لیکن بعض مخصوص احادیث ہم یہاں بھی نقل کرتے ہیں اللہ ہماری مدد فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو اللہ عزوجل عذاب نہیں کرتا ہاں اگر وہ کوئی برائی دیکھیں اور اس کے مٹانے پر قادر ہوں پھر بھی اس خلاف شرع کام کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب کرتا ہے (مسند احمد) اس کی اسناد میں ایک راوی مبہم ہے۔ اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کیا تو تم اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے کوئی عام عذاب نازل فرمائے گا پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے لیکن وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (مسند احمد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک آدمی ایک بات زبان سے نکالتا تھا اور منافق ہو جاتا تھا لیکن اب تو تم ایک ہی مجلس میں نہایت بے پرواہی سے چار چار دفعہ ایسے کلمات اپنی زبان سے نکال دیا کرتے ہو واللہ یا تو تم نیک باتوں کا حکم دو بری باتوں سے

روکو اور نیکیوں کی رغبت دلاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو تمہیں نہیں کر دے گا یا تم پر برے لوگوں کو مسلط کر دے گا پھر نیک لوگ دعائیں کریں گے لیکن وہ قبول نہ فرمائے گا (مسند) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں اپنے کانوں کی طرف اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے ان میں واقع ہونے والے اور ان کے بارے میں سستی کرنے والوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے، کوئی نیچے تھا، کوئی اوپر تھا، نیچے والے پانی لینے کے لئے اوپر آتے تھے، اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی، آخر انہوں نے کہا آؤ ہمیں نیچے سے ہی کشتی کا ایک تختہ توڑ لیں، حسب ضرورت پانی یہیں سے لے لیا کریں گے تاکہ نہ اوپر جانا پڑے نہ انہیں تکلیف پہنچے، پس اگر اوپر والے ان کے کام اپنے ذمہ لے لیں اور انہیں کشتی کے نیچے کا تخت اٹھاڑنے سے روک دیں تو وہ بھی بچیں اور یہ بھی ورنہ وہ بھی ڈوبیں گے اور یہ بھی (بخاری)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جب میری امت میں گناہ ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عام عذاب ان پر بھیجے گا، ام المؤمنین ام سلمہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ان میں تو نیک لوگ بھی ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ پوچھا پھر وہ لوگ کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا انہیں بھی وہی پہنچے گا جو اوروں کو پہنچا اور پھر انہیں اللہ کی مغفرت اور رضامندی ملے گی (مسند احمد) ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو لوگ برے کام کرنے لگیں اور ان میں کوئی ذی عزت، ذی اثر شخص ہو اور وہ منع نہ کرے روکے نہیں تو ان سب کو اللہ کا عذاب ہوگا، سزا میں سب شامل رہیں گے (مسند ابوداؤد وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ کرنے والے تھوڑے ہوں، نہ کرنے والے زیادہ اور ذی اثر ہوں، پھر بھی وہ اس برائی کو نہ روکیں تو اللہ ان سب کو اجتماعی سزا دے گا، مسند کی اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: جب زمین والوں میں بدی ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب اتارتا ہے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ان ہی میں اللہ کے اطاعت گزار بندے بھی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: عذاب عام ہوگا اور پھر وہ اللہ کی رحمت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

وَ اذْكُرُواْ اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاولٰئِكَمُ الَّذِيْنَ بَنَصْرِهِ
وَرَزَقَكُمُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

وہ وقت یاد کرو جبکہ تم بہت ہی کم تعداد میں تھے اور روئے زمین پر بہت ہی کمزور تھے، ہر وقت تمہیں کھانگا لگا رہتا تھا کہ مخالف لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے، پس اللہ نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت فرمائیں اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو ○

اہل ایمان پر اللہ کے احسانات: ☆ ☆ (آیت: ۲۶) مومنوں کو پروردگار عالم اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ ان کی گنتی اس نے بڑھا دی، ان کی کمزوری کو طاقت سے بدل دیا، ان کے خوف کو امن سے بدل دیا، ان کی ناتوانی کو قوت سے بدل دیا، ان کی فقیری کو امیری سے بدل دیا، انہوں نے جیسے جیسے اللہ کے فرمان کی بجا آوری کی، ویسے ویسی یہ تری پا گئے۔ مومن صحابہ مکہ میں قیام کے دوران تعداد میں بہت تھوڑے تھے، پیچھے پھرتے تھے، بے قرار رہتے تھے، ہر وقت دشمنوں کا خطرہ لگا رہتا تھا، مجوسی ان کے دشمن، یہودی ان کی جان کے پیچھے بت پرست ان کے خون کے پیاسے، نصرانی ان کی فکر میں، دشمنوں کی یہ حالت تھی تو ان کی اپنی یہ حالت کہ تعداد میں انگلیوں پر گن لو۔ بغیر طاقت، شان، شوکت مطلقاً نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتا ہے، یہ مان لیتے ہیں وہاں پہنچتے ہی اللہ ان کے قدم جمادیتا ہے، وہاں مدینہ والوں کو ان کا ساتھی بلکہ پشت پناہ بنا دیتا ہے، وہ ان کی مدد پر اور ساتھ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں، بدر والے دن اپنی جائیں

ہتھیلیوں پر لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں، اپنے مال پانی کی طرح راہ حق میں بہاتے ہیں اور دوسرے موقعوں پر بھی نہ اطاعت چھوڑتے ہیں، نہ ساتھ نہ سخاوت، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چاند کی طرح چمکنے لگتے ہیں اور سورج کی طرح دکنے لگتے ہیں۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے یہ لوگ سب سے زیادہ گرے ہوئے سب سے زیادہ تنگ حال سب سے زیادہ بھوکے ننگے سب سے زیادہ گمراہ اور بے دین و مذہب تھے، جیتے تو ذلت کی حالت میں، مرتے تو جہنمی ہو کر ہر ایک ان کے سر چکلتا لیکن یہ آپس میں الجھتے رہتے، واللہ روئے زمین پر ان سے زیادہ گمراہ کوئی نہ تھا، اب یہ اسلام لائے، اللہ کے رسول کے اطاعت گزار بنے تو ادھر سے ادھر تک شہروں بلکہ ملکوں پر ان کا قبضہ ہو گیا، دنیا کی دولت ان کے قدموں پر پھرنے لگی، لوگوں کی گردنوں کے مالک اور دنیا کے بادشاہ بن گئے، یاد رکھو یہ سب سچے دین اور اللہ کے رسول کی تعلیم پر عمل کے نتائج تھے۔ پس تم اپنے پروردگار کے شکر میں لگے رہو اور اس کے بڑے بڑے احسان تم پر ہیں، وہ شکر کو اور شکر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ سنو شکر گزار نعمتوں کی زیادتی میں ہی رہتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ
وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ وَأَعْلَمُوا أَنَّ مَا
أَمْوَالَكُمْ وَأَوْلَادَكُمْ فَتْنَةٌ ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ
عَظِيمٌ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو! تو اللہ کی خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو، دناں حالیکہ تم واقف کار ہو اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہت بڑا ثواب اور اجر ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو: ﴿۱۷﴾ (آیت: ۲۷-۲۸) کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ بن عبدالمہدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے، انہیں آنحضرت ﷺ نے بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی شرط کے ماننے پر قلعہ خالی کر دیں، ان یہودیوں نے آپ ہی سے مشورہ دریافت کیا تو آپ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر انہیں بتا دیا کہ حضور کا فیصلہ تمہارے حق میں یہی ہوگا، اب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بہت ہی نادام ہوئے کہ افسوس میں نے بہت برا کیا، اللہ کی اور اس کے رسول کی خیانت کی، اسی ندامت کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہو، میں کھانے کا ایک لقمہ بھی نہ اٹھاؤں گا چاہے مر ہی جاؤں، مسجد نبوی میں آ کر ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو بندھوا دیا، نودن اسی حالت میں گزر گئے، غشی آ گئی، بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر پڑے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول کر لی اور یہ آیات نازل ہوئیں، لوگ آئے، آپ کو خوشخبری سنائی اور اس ستون سے کھولنا چاہا تو انہوں نے فرمایا، واللہ میں اپنے آپ کو کسی سے نہ کھلاؤں گا سوائے اس کے کہ خود رسول کریم ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے کھولیں، چنانچہ آپ خود تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے انہیں کھولا، تو آپ عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں نے نذرمانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کر لے تو میں اپنا کل مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں گا، آپ نے ارشاد فرمایا، انہیں صرف ایک تہائی فی سبیل اللہ دے دو، یہی کافی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ابوسفیان کے سے چلا، جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابوسفیان فلاں جگہ

ہے، آپ نے صحابہؓ سے ذکر کیا اور فرمادیا کہ اس طرف چلو لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ کرنا لیکن ایک منافق نے اسے لکھ بھیجا کہ تیرے پکڑنے کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، ہوشیار رہنا، پس یہ آیت اتری لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور اس کی سند اور متن دونوں ہی قابل نظر ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت حاطب بن ابولتبعہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ فتح مکہ والے سال انہوں نے قریش کو خط بھیج دیا جس میں آنحضرت ﷺ کے ارادے سے انہیں مطلع کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خبر کر دی، آپ نے آدمی ان کے پیچھے دوڑائے اور خط پکڑا گیا، حضرت حاطب نے اپنے قصور کا اقرار کیا حضرت عمرؓ نے ان کی گردن مارنیکی اجازت چاہی کہ اس نے اللہ کے رسول اور مومنوں سے خیانت کی ہے، آپ نے فرمایا، اسے چھوڑ دو، یہ بدری صحابی ہے، تم نہیں جانتے، اور بدر والوں کے تعلق اللہ تعالیٰ نے بذات خود فرمادیا ہے، جو چاہو تم کر، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کسی خاص واقعہ کے بارے میں اترنے کے باوجود الفاظ کی عمومیت اپنے حکم عموم پر ہی رہے گی۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ خیانت عام ہے چھوٹے بڑے، لازم متعدی سب گناہ خیانت میں داخل ہیں۔ اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو یعنی فرض کو ناقص نہ کرو، پیغمبر کی سنت کو نہ چھوڑو، اس کی نافرمانی نہ کرو۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ کسی کے سامنے اس کے حق کا اظہار کرنا اور درپردہ کرنا اس کے الٹ کرنا باتیں کرنا اور اس کے سامنے اس کے خلاف کرنا بھی امانت کو ضائع کرنا اور اپنے نفس کی خیانت کرنا ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ جب کسی نے اللہ و رسول کی خیانت کی تو اس نے امانت داری میں رخنہ ڈال دیا۔ ایک صورت اس کی حضور کی زمانے میں یہ بھی تھی کہ آپ کی بات سنی، پھر اسے مشرکوں میں پھیلادیا، پس منافقوں کے اس فعل سے مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہارے امتحان کا باعث ہیں۔ یہ دیکھیں آیا اللہ کا شکر کرتے ہو اور اس کی اطاعت کرتے ہو؟ یا ان میں مشغول ہو کر ان کی محبت میں پھنس کر اللہ کی باتوں اور اس کی اطاعت سے ہٹ جاتے ہو؟ اسی طرح ہر خیر و شر سے اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”مسلمانو! مال و اولاد کے چکر میں اللہ کی یاد نہ بھول جانا، ایسا کرنے والے نقصان پانے والے ہیں“۔ اور آیت میں ہے کہ تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہنا، سمجھ لو کہ اللہ کے پاس اجر یہاں کے مال و اولاد سے بہت بہتر ہیں اور بہت بڑے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض تو دشمن ہی ہوتے ہیں اور اکثر بے نفع ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ متصرف و مالک ہے، دنیا و آخرت اسی کی ہے، قیامت کے ثواب اسی کے قبضے میں ہیں۔ ایک اثر میں فرمان الہی ہے کہ اے ابن آدم مجھے ڈھونڈ، تو پائے گا، مجھے پالینا تمام چیزوں کو پالینا ہے، میرا فوت ہو جانا تمام چیزوں کا فوت ہو جانا ہے، میں تیری تمام چیزوں سے تیری محبت کا زیادہ حقدار ہوں۔

صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے تین چیزیں جس میں ہوں، اس نے ایمان کی مٹھاس چکھ لی، جسے اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ پیارے ہوں، جو محض اللہ کے لئے دوستی رکھتا ہو اور جسے آگ میں جل جانے سے بھی زیادہ بڑا ایمان کے بعد کفر کرنا معلوم ہوتا ہو۔ بلکہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی اولاد و مال اور نفس کی محبت پر مقدم ہے جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی باایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے نفس، اہل مال، اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ
لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
وَإِنَّ اللَّهَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِيَثْبُتُوكَ أَوْ يَقتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ
اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينِ ﴿۳۰﴾

اے مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو اللہ تمہارے لئے نجات اور فتح کر دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے ﴿۲۹﴾ اے نبی اللہ کی نعمت کی بھی یاد کر جبکہ کافر تیرے ساتھ فریب بازیاں کر رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلا وطن کر دیں وہ مکر کر رہے تھے اور اللہ بھی مکر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿۳۰﴾

دنیا و آخرت کی سعادت مندی ☆ ☆ (آیت: ۲۹) فرقان سے مراد نجات ہے۔ دنیوی بھی اور اخروی بھی اور فتح و نصرت غلبہ و امتیاز بھی مراد ہے جس سے حق و باطل میں تمیز ہو جائے۔ بات یہی ہے کہ جو اللہ کی فرمانبرداری کرے، نافرمانی سے بچے اللہ اس کی مدد کرتا ہے جو حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے، دنیا و آخرت کی سعادت مندی حاصل کر لیتا ہے اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں لوگوں سے پوشیدہ کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا وہ کامل مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ جیسے فرمان عالی شان ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ یعنی اے مسلمانو! اللہ کا ڈرلوں میں رکھو اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دوہرے حصے دے گا اور تمہارے لئے ایک نور مہیا کر دے گا جس کے ساتھ تم چلتے پھرتے رہو گے اور تمہیں بخش بھی دے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش: ☆ ☆ (آیت: ۳۰) کافروں نے یہی تین ارادے کئے تھے جب ابوطالب نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کفار کے راز اور ان کی پوشیدہ چالیں معلوم بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ تین مشورے کر رہے ہیں اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ نے فرمایا میرے پروردگار نے اس نے کہا آپ کا پروردگار بہترین پروردگار ہے تم اس کی خیر خواہی میں ہی رہنا، آپ نے فرمایا میں اس کی خیر خواہی کیا کرتا وہ خود میری حفاظت اور بھلائی کرتا ہے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ لیکن اس واقعہ میں ابوطالب کا ذکر بہت غریب بلکہ منکر ہے اس لئے کہ آیت تو مدینے میں اتری ہے اور کافروں کا یہ مشورہ ہجرت کی رات تھا اور یہ واقعہ ابوطالب کی موت کے تقریباً تین سال بعد کا ہے اسی کی موت نے ان کی جرأتیں دو بالا کر دی تھیں۔ اس ہمت اور نصرت کے بعد بھی تو کافروں نے آپ کی ایذا ہی پر کربانہی تھی۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ قریش کے تمام قبیلوں کے سرداروں نے دارالندوہ میں جمع ہونے کا ارادہ کیا، ملعون ابلیس انہیں ایک بہت بڑے مقطع بزرگ کی صورت میں ملا انہوں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے کہا اہل نجد کا شیخ ہوں مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگ آج ایک مشورے کی غرض سے جمع ہونے والے ہیں میں بھی حاضر ہوا کہ اس مجلس میں شامل ہو جاؤں اور رائے میں اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہ کروں آخر مجلس جمع ہوئی تو اس نے کہا اس شخص کے بارے میں پورے غور و خوض سے کوئی صحیح رائے قائم کر لو واللہ اس نے تو سب کا ناک میں دم کر دیا ہے کسی نے کہا اسے قید کر دو پھر بھول جاؤ یہ سڑ سڑ کر مر جائے گا جیسے کہ زہر اور نابغہ وغیرہ

شاعروں کا حشر ہوا یہ بھی تو ان ہی شاعروں میں سے ایک ہے۔ اس پر شیخ نجد (ابلیس) نے کہا یہ رائے ٹھیک نہیں دیکھو ایسا کرنے سے اس کے جتنے ساتھی ہیں وہ اچانک حملہ کر کے تم پر چڑھائی کر دیں گے اور تم سے لڑ بھڑ کر اسے چھڑالے جائیں گے پھر یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اپنے حلیفوں سے مدد لے کر تم سے زبردست انتقام لے میں سب نے کہا شیخ جی سچ فرماتے ہیں، بھئی کوئی اور رائے پیش کر ڈکسی نے کہا اسے یہاں سے نکال دو جلا وطن کر دو پھر اس کے کر تو تمہیں کوئی نقصان نہیں دیں گے وہ یہاں سے دفع ہو جائیں گے کہیں منہ چھپائے پڑا ہے گا، تم اس کی ایذا سے چھوٹ جاؤ گے، غیروں میں اس کا برا حشر ہوگا۔ یہ سن کر شیخ نجد چلایا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں، تم نہیں دیکھتے کہ اس کی باتیں کیسی ٹھٹھی ہیں؟ اس کی زبان کس تو رچلتی ہے؟ وہ دلوں پر کیسے قبضہ کر لیتا ہے؟ کوئی نہیں جو اس کی باتوں کا بھوکوں کی طرح مشتاق نہ رہتا ہو، واللہ اگر تم نے اسے یہاں سے نکالا تو وہ اپنی شیریں زبانی اور آتش بیانی سے ہزار ہا ساتھی پیدا کر لے گا اور پھر جو ادھر کا رخ کرے گا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا، پھر تو تمہارے شریفوں کو تہ تیغ کر کے تم سب کو یہاں سے بیک بینی و دو گوش نکال باہر کرے گا۔ سب نے کہا شیخ جی سچ فرماتے ہیں اور کوئی رائے پیش کر دیا اس پر ابو جہل ملعون نے کہا ایک رائے میری سن لو میرا خیال ہے کہ تم سب کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی، بس یہی رائے ٹھیک ہے، تم اس پر بے فکر ہو کر عمل کر ڈو سب نے ہا چا جان بیان فرمایا، اس نے کہا ہر قبیلے سے ایک نو جوان جری بہادر شریف مانا ہوا شخص جن لو پھر سب نو جوان ایک ساتھ اس پر حملہ کریں اور اپنی تلواروں سے اس کے گلے اڑا دیں، پھر تو اس کے قبیلے کے لوگ یعنی بنی ہاشم کو یہ تو ہمت نہ ہوگی کہ قریش کے تمام قبیلوں سے لڑیں، کیونکہ ہر قبیلے کا ایک نو جوان اس کے قتل میں شریک ہوگا، اس کا خون تمام قبائل قریش میں بنا ہوا ہوگا، ناچار وہ دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں گے، ہم اس بلا سے چھوٹ جائیں گے اور اس شخص کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اب تو شیخ نجدی انھل پڑا اور کہنے لگا اللہ جانتا ہے، بس یہی ایک رائے بالکل ٹھیک ہے، اس کے سوا کوئی اور بات سمجھ میں نہیں آتی، بس یہی کرو اور اس قصے کو ختم کر دیا اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی، چنانچہ یہ پختہ فیصلہ کر کے یہ مجلس برخاست ہوئی اسی وقت حضرت جبرئیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے فرمایا، آج کی رات آپ اپنے گھر میں اپنے بستر پر نہ سوئیں، کافروں نے آپ کے خلاف آج میٹنگ میں یہ تجویز طے کی ہے، چنانچہ آپ نے یہی کیا، اس رات آپ اپنے گھر اپنے بستر پر نہ لیئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور آپ کے مدینے پہنچ جانے کے بعد اس آیت میں اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا اور ان کے اس فریب کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا، اَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ اَلْحُ اس دن کا نام ہی یوم الرحمہ ہو گیا، ان کے انہی ارادوں کا ذکر آیت وان کا دوا لیستغفرو نك میں ہے۔ آنحضرت ﷺ مکہ شریف میں اللہ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ قریشیوں نے جمع ہو کر نکر کا ارادہ کیا، جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو خبر کر دی اور کہا کہ آج آپ اس مکان میں نہ سوئیں جہاں سویا کرتے تھے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے بسترے پر اپنی سبز چادر اوڑھا کر لیٹنے کو فرمایا اور آپ باہر آئے، قریش کے مختلف قبیلوں کا مقررہ جتھا آپ کے دروازے کو گھیرے کھڑا تھا، آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اور نکر بھر کر ان کے سروں اور ان کی آنکھوں میں ڈال کر سورۃ یاسین کی فہمُ لَا يُبْصِرُونَ تک کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتی ہوئی آئیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ پیاری بیٹی کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا کہ اباجی کیسے نہ روؤں، یہ قریش خانہ کعبہ میں جمع ہیں، لات وعزلی کی قسمیں کھا کر یہ طے کیا ہے کہ ہر قبیلے کے لوگ آپ کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوں اور ایک ساتھ حملہ کر کے قتل کر دیں تاکہ الزام سب پر آئے اور ایک بلوہ قرار پائے، کوئی خاص شخص قاتل نہ ٹھہرے، آپ نے فرمایا، بیٹی پانی

لاؤ پانی آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور مسجد حرام کی طرف چلے انہوں نے آپ کو دیکھا اور دیکھتے ہی غل مچایا کہ لو وہ آ گیا، اٹھو اسی وقت ان کے سر جھک گئے، ٹھوڑیاں سینے سے لگ گئیں، نگاہ اونچی نہ کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹی کی بھر کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا یہ مندا لئے ہو جائیں گے یہ چہرے برباد ہو جائیں جس شخص پر ان کنکریوں میں سے کوئی کنکر پڑا وہ ہی بدر والے دن کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رات کو مشرکوں کا مشورہ ہوا کسی نے کہا، صبح کو اسے قید کر دو کسی نے کہا مار ڈالو کسی نے کہا دس نکال دے دو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اس پر مطلع فرمادیا، اس رات حضرت علیؑ آپ کے بسترے پر سوئے اور آپ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے غار میں جا کر بیٹھ رہے مشرکین یہ سمجھ کر کہ خود رسول اکرم ﷺ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں ساری رات پہرہ دیتے رہے، صبح سب کو دکر اندر پہنچے دیکھا تو حضرت علیؑ ہیں ساری تدبیر چوہٹ ہو گئیں، پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی یہ لوگ قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے اس پہاڑ تک پہنچ گئے، وہاں سے پھر کوئی پتہ نہ چل سکا، پہاڑ پر چڑھ گئے اس غار کے پاس سے گذرے لیکن دیکھا کہ وہاں مکزی کا جالانا ہوا ہے، کہنے لگے اگر اس میں جاتے تو یہ جالا کیسے ثابت رہ جاتا؟ حضور ﷺ نے تین راتیں اسی غار میں گذاریں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مکر کیا، میں بھی ان سے ایسی مضبوط چال چلا کہ آج تجھے ان سے بچا کر لے ہی آیا۔

وَإِذَا تَثَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۵﴾
وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانْ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۶﴾

جب ان کے سامنے ہماری کی حلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا، ہم آپ اگر چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں یہ جزا گلوں کی لکھی ہوئی کہانیوں کے ہے ہی کیا؟ ○ جبکہ انہوں نے کہا کہ الہی اگر یہ تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا، ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لا ○

عذاب الہی نہ آنے کا سبب اللہ کے رسول اور استغفار: ☆ ☆ (آیت: ۳۱-۳۲) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے غرور و تکبر، ان کی کسری اور ناحق شناسی، ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی حالت بیان کرتا ہے کہ جھوٹ موٹ بک دیتے ہیں کہ ہاں بھی ہم نے قرآن سن لیا، اس میں رکھا کیا ہے، ہم خود قادر ہیں، اگر چاہیں تو اسی جیسا کلام کہہ دیں، حالانکہ وہ کہہ نہیں سکتے، اپنی عاجزی اور تہی دستی کو خوب جانتے ہیں لیکن زبان سے شنی بگھارتے تھے، جہاں قرآن سنا تو اس کی قدر گھٹانے کے لئے بک دیا، جب کہ ان سے زبردست دعوے کے ساتھ کہا گیا کہ لاؤ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لاؤ تو سب عاجز ہو گئے، پس یہ قول صرف جاہلوں کی خوش طبعی کے لئے کہتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہ کہنے والا نصر بن حارث ملعون تھا، یہ خبیث فارس کے ملک میں گیا تھا اور تتمہ و اسفندیار کے قصے یاد کر آیا تھا، یہاں حضورؐ کو نبوت مل چکی تھی، آپ لوگوں کو کلام اللہ شریف سنارہے ہوتے، جب آپ فارغ ہوتے تو یہ اپنی مجلس جماتا اور فارس کے قصے سنا، پھر فرخا کہتا کہ میرا بیان اچھا ہے یا محمدؐ کا؟ صلی اللہ

علیہ وسلم - یہ بدر کے دن قید کر کے لایا گیا اور حضورؐ کے فرمان سے آپ کے سامنے اس کی گردن ماری گئی - فالحمد للہ - اسے قید کرنے والے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے -

عقبہ بن ابی معیط، طیحہ بن عدی، نصر بن حارث، یہ تینوں اسی قید میں قتل کئے گئے - حضرت مقدادؓ نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ میرا قیدی؟ آپ نے فرمایا، یہ اللہ عزوجل کی کتاب کے بارے میں زبان درازی کرتا تھا، انہوں نے بعد از قتل پھر کہا کہ حضورؐ میں جسے باندھ کر لایا ہوں؟ آپ نے دعا کی کہ یا اللہ اپنے فضل سے مقداد کو غنی کر دے، آپ خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ حضورؐ یہی میرا مقصد اور مقصود تھا، اسی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے - ایک روایت میں طیحہ کی بجائے مطعم بن عدی کا نام ہے لیکن یہ غلط ہے، بدر والے دن وہ تو زندہ ہی نہ تھا، بلکہ حضورؐ کا فرمان مروی ہے کہ اگر آج یہ زندہ ہوتا اور مجھ سے ان قیدیوں کو طلب کرتا تو میں اسے دے دیتا، اس لئے کہ طائف سے لوٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو وہی اپنی پناہ میں مکہ میں لے گیا تھا - یہ کفار کہتے تھے کہ قرآن میں سوائے پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیوں کے کیا دھرا ہے، انہی کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنا تا رہتا ہے، حالانکہ یہ محض جھوٹ بات تھی جو انہوں نے گھڑی تھی، اسی لئے ان کے اس قول کو نقل کر کے جناب باری نے فرمایا ہے کہ انہیں جواب دے کہ اسے تو آسمان وزمین کی تمام غائب باتوں کے جاننے والے نے اتارا ہے جو غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے، توبہ کرنے والوں کی خطائیں معاف فرماتا ہے، اپنے سامنے جھکنے والوں پر بڑے کرم کرتا ہے -

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ
اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۲﴾

اور جب تک تو ان میں موجود ہے اللہ انہیں عذاب نہ کرے گا اور نہ اللہ انہیں اس حال میں عذاب کرنے والا ہے کہ وہ استغفار کرنے والے ہوں ○

(آیت: ۳۲) پھر ان کی جہالت کا کرشمہ بیان ہو رہا ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ یا اللہ اگر یہ حق ہے تو ہمیں اس کی ہدایت دے اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما لیکن بجائے اس کے یہ دعا کرنے لگے کہ ہمیں جلد عذاب کر - بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر چیز کا وقت مقرر ہے ورنہ ان پر بھی عذاب آجاتا لیکن اگر تمہارا یہی حال رہا تو پھر بھی وہ دن دور نہیں کہ جب اچانک ان کی بے خبری میں اپنے وقت پر آ ہی جائے گا - یہ تو کہا کرتے تھے کہ ہمارا فیصلہ فیصلے کے دن سے پہلے ہی ہو جائے گا، بطور مذاق عذاب کے واقع ہونے کی درخواست کرتے تھے جو کافروں پر آنے والا ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا، جو اس اللہ کی طرف سے ہو گا جو سیڑھیوں والا ہے - پہلی امتوں کے جاہلوں کا بھی یہی وطیرہ رہا، قوم شعیبؑ نے کہا تھا کہ اے مدعی نبوت! اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کو گرا دے، اسی طرح ان لوگوں نے کہا، ابو جہل وغیرہ نے یہ دعا کی تھی جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ رسول اللہ کی موجودگی میں انہی میں سے بعض کا استغفار اللہ کی عذاب کی ڈھال ہے - نصر بن حارث بن کلدہ نے بھی یہی دعا کی تھی جس کا ذکر سَأَلَ سَأَلْتُمْ لِي فِيهَا - ان کے اسی قول کا ذکر آیت وَقَالُوا رَبَّنَا عَجَلْنَا لَنَا الْخُحُّ فِيهَا وَفَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَى الْخُحُّ فِيهَا - اور آیت سَأَلَ سَأَلْتُمْ لِي فِيهَا میں ہے -

غرض دس سے اوپر اوپر آیات اس بیان میں ہیں - عمرو بن عاص جنگ احد میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ اگر محمد (ﷺ) کا لایا ہوا دین حق ہے تو مجھے میرے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے، گو اس امت کے بے وقوفوں نے یہ تمنا کی لیکن اللہ نے اس امت پر رحم فرمایا اور جواب دیا کہ ایک تو پیغمبر کی موجودگی عام عذاب سے مانع ہے، دوسرے تم لوگوں کا استغفار -

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ مشرک حج میں طواف کے وقت کہتے تھے لبیک اللہم لبیک لبیک لا شریک لک اسی وقت رسول اللہ ﷺ فرماتے بس بس لیکن وہ پھر کہتے الا شریک ہو لک تملکہ وما ملک یعنی ہم حاضر ہیں اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں پھر کہتے ہاں وہ شریک جو خود بھی تیری ملکیت میں ہیں اور جن چیزوں کے وہ مالک ہیں ان کا بھی اصل مالک تو ہی ہے اور کہتے غفرانک غفرانک اے اللہ ہم تجھ سے استغفار کتے ہیں اے اللہ تو ہمیں معاف فرما اسی طلب بخشش کو عذاب کے جلد نہ آنے کا سبب بتایا گیا ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں ان میں دو سبب تھے ایک تو نبی ﷺ دوسرے استغفار پس آپ تو چل دیئے اور استغفار باقی رہ گیا قریش آپس میں کہا کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) کو اللہ نے ہم میں سے ہم پر بزرگ بنایا اے اللہ اگر یہ سچا ہے تو تو ہمیں عذاب کر جب ایمان لائے تو اپنے اس قول پر بڑے ہی نادم ہوئے اور استغفار کیا اسی کا بیان دوسری آیت میں ہے۔ پس انبیاء کی موجودگی میں قوموں پر عذاب نہیں آتا ہاں وہ نکل جائیں پھر عذاب برس پڑتے ہیں اور چونکہ ان کی قسمت میں ایمان تھا اور بعد از ایمان وہ استغفار کرنے والے یعنی نمازی بننے والے تھے اس لئے بھی ان سے عذاب نلتا رہا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ خود مکہ میں ان ہی میں سے مومن تھے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے پس آنحضرت ﷺ کی موجودگی اور مسلمانوں کا استغفار اہل مکہ کے لئے باعث امن و امان تھا۔ امن کی ان دو وجوہات میں سے ایک تو اب نہ رہا دوسرا اب بھی موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مجھ پر دو امن میری امت کے لئے اترے ہیں ایک میری موجودگی دوسرے ان کا استغفار پس جب میں چلا جاؤں گا تو استغفار قیامت تک کے لئے ان میں چھوڑ جاؤں گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان نے کہا اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم میں تو جب تک تیرے بندوں کے جسم میں روح ہے انہیں بہکا تا رہوں گا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے بھی میری جلالت اور میری بزرگی کی قسم جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشا رہوں گا (مسند درک حاکم) مسند احمد میں ہی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بندہ اللہ کے عذابوں سے امن میں رہتا ہے جب تک وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرتا رہے۔

وَمَا لَهُمْ آلَا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ
 الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمَثْقُونُ
 وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ
 عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصَدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا
 كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۲۶﴾

کوئی وجہ نہیں کہ اللہ انہیں عذاب نہ کرے یہ تو لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور یہ اس مسجد کے متولی ہونے کے لائق بھی نہیں ہیں اس کے سزاوار تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن اکثر کافر بے علم ہیں ○ ان کی تو نماز بھی خانہ کعبہ کے پاس بجز بیٹھانے اور تالیان پینے کے اور کچھ نہیں تو جیسا کفر کرتے رہے اس کے بدلے عذاب چکھو ○

عذاب الہی نہ آنے کا مزید بیان: ☆ ☆ (آیت: ۲۴-۲۵) ارشاد ہے کہ فی الواقع کفار عذابوں کے لائق ہیں لیکن آنحضرت ﷺ

کی موجودگی کی وجہ سے ان سے عذاب رکے ہوئے ہیں چنانچہ آپ کی ہجرت کے بعد ان پر عذاب الہی آیا بدر کے دن ان کے تمام سردار مار ڈالے گئے یا قید کر دیئے گئے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں استغفار کی ہدایت کی کہ اپنے شرک و فساد سے ہٹ جائیں اور اللہ سے معافی طلب کریں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ معافی نہیں مانگتے تھے ورنہ عذاب نہ ہوتا ہاں ان میں جو کمزور مسلمان رہ گئے تھے اور ہجرت پر قادر نہ تھے وہ استغفار میں لگے رہتے تھے اور ان کی ان میں موجودگی اللہ کے عذابوں کے رکنے کا ذریعہ تھی۔ چنانچہ حدیبیہ کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد الہی ہے **هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْحٰلِئِنَّ لِيَ لِمَكَ وَآلِهِ تَوَّابٌ** یعنی یہ مکہ والے ہی تو وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی نہ آنے دیا کہ وہ جہاں تھے وہیں رکے کھڑے رہے اور اپنے حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ سکے اور اگر شہر مکہ میں کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں ایسی نہ ہوتیں کہ تم ان کے حال سے واقف نہیں تھے اور عین ممکن تھا کہ لڑائی کی صورت میں تم انہیں بھی پامال کر ڈالتے اور نادانستہ ان کی طرف سے تمہیں نقصان پہنچ جاتا تو بے شک تمہیں اسی وقت لڑائی کی اجازت مل جاتی اس وقت کی صلح اس لئے ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں لے لے اگر مکہ میں رکے ہوئے مسلمان وہاں سے کہیں ہجرت کر جاتے تو یقیناً ان کافروں کو دردناک مار ماری جاتی۔

پس آنحضرت ﷺ کی موجودگی اہل مکہ کے لئے باعث امن رہی پھر حضور کی ہجرت کے بعد جو ضعیف مسلمان وہاں رہ گئے تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے ان کی موجودگی کی وجہ سے عذاب نہ آیا جب وہ بھی مکہ سے نکل گئے تب یہ آیت اتری کہ اب کوئی مانع باقی نہ رہا پس مسلمانوں کو مکہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مل گئی اور یہ مفتوح ہوئے۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر مراد ان کا خود کا استغفار ہو تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ حسن بصری وغیرہ کا یہ قول بھی ہے کہ اہل مکہ سے جنگ بھی ہوئی انہیں ضرر بھی پہنچے ان پر قحط سالیوں بھی آئیں پس ان مشرکوں کا اس آیت میں استثنا کر لیا گیا ہے انہیں اللہ کے عذاب کیوں نہ ہوں؟ یہ مومن لوگوں کو کعبہ اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں جو مومن بوجہ اپنی کمزوری کے اب تک مکہ میں ہی ہیں اور ان کے سوا اور مومنوں کو بھی طواف و نماز سے روکتے ہیں حالانکہ اصل اہلیت ان ہی میں ہے ان مشرکوں میں اس کی اہلیت نہیں جیسے فرمان ہے **مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللّٰهِ الّٰحِ مَشْرِكِينَ اللّٰهِ** گھروں کی آبادی کے اہل نہیں وہ تو کفر میں مبتلا ہیں ان کے اعمال اکارت ہیں اور وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں۔ مسجدوں کی آبادی کے اہل اللہ پر قیامت پر ایمان رکھنے والے نمازی زکوٰۃ ادا کرنے والے صرف خوف الہی رکھنے والے ہی ہیں اور وہی راہ یافتہ لوگ ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اللہ کے ساتھ کفر کرنا مسجد حرام کی بے حرمتی کرنا اس کے لائق لوگوں کو اس سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔

آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے دوست کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہر ایک پر بیہیزگار اللہ سے ڈرنے والا پھر آپ نے پڑھا ان اولیاء ہ الا المتقون۔ متدرک حاکم میں ہے کہ حضور نے قریشیوں کو جمع کیا پھر پوچھا کہ تم میں اس وقت کوئی اور تو نہیں؟ انہوں نے کہا بہنوں کی اولاد اور حلیف اور مولیٰ ہیں فرمایا کہ یہ تینوں تو تم میں سے ہی ہیں سنو تم میں سے میرے دوست وہی ہیں جو تقویٰ اور بیہیزگاری والے ہوں۔

پس اللہ کے اولیاء محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں اور تمام مجاہد خواہ وہ کوئی ہو اور وہ کہیں کے ہوں پھر ان کی ایک اور شرات اور بے ڈھنگ پن بیان فرماتا ہے۔ کعبہ میں آکر کیا کرتے ہیں؟ یا تو جانوروں کی سی سیٹیاں بجاتے تھے منہ میں انگلیاں رکھیں اور سیٹیاں شروع کر دیں یا تالیاں پیٹنے لگے طواف کرتے ہیں تو ننگے ہو کر زخار جھکا کر سیٹی بجائی تالی بجائی چلے نماز ہو گئی کبھی رخسار زمین پر لٹکایا بائیں طرف سے طواف کیا۔ یہ بھی مقصود تھا کہ حضور کی نماز بگاڑیں مومنوں کا مذاق اڑائیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں حکم

ہوتا ہے کہ لو اب اپنے کفر کا بھر پور پھل چکھو۔ بدر کے دن قید ہو کے قتل ہوئے، تلوار چلی، چیخ اور زلزلے آئے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ
حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ
يُحْشَرُونَ ﴿٥٧﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا
فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٥٨﴾

جو لوگ اللہ راہ سے روکتے ہیں اپنے مال خرچ کرتے ہیں وہ خرچ کر لیں آخر میں یہ خرچ ان کے لئے باعث ندامت ہوگا پھر وہ ہار بھی جائیں گے کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہی ہوگا ○ اس لئے کہ اللہ بدوں کو بھلوں سے الگ الگ کر دے اور بدوں کو بعض کو بعض پر تہہ بہ تہہ کر کے سب کو ایک ساتھ جہنم میں کرنے کی یہی ہیں نقصان

اٹھانے والے ○

شکست خوردہ کفار کی سازشیں: ☆☆ (آیت: ۳۶-۳۷) قریشیوں کو بدر میں شکست فاش ہوئی، اپنے مردے اور اپنے قیدی مسلمانوں کے ہاتھوں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، ابوسفیان اپنا قافلہ اور مال و متاع لے کر پہنچا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور وہ لوگ جن کے عزیز و اقارب اس لڑائی میں کام آئے تھے، ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری کیا درگت ہوئی؟ اب اگر آپ رضامند ہوں تو یہ سارا مال روک لیا جائے اور اسی خزانے سے دوسری جنگ کی تیاری و وسیع پیمانے پر کی جائے اور انہیں مزہ چکھا دیا جائے چنانچہ یہ بات مان لی گئی اور پختہ ہو گئی، اسی پر یہ آیت اتری کہ خرچ کرو ورنہ یہ بھی غارت ہو جائے گا اور دوبارہ منہ کی کھاؤ گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت بھی بدر کے بارے میں اتری ہے۔ الفاظ آیت کے عام ہیں گو سب نزول خاص ہو، حق کو روکنے کے لیے جو بھی مال خرچ کرے وہ آخر ندامت کے ساتھ رہ جائے گا، دین کا چراغ انسانی پھولوں سے بجھ نہیں سکتا، اس خواہش کا انجام نامرادی ہی ہے، خود اللہ اپنے دین کا ناصر اور حافظ ہے، اس کا کلمہ بلند ہوگا، اس کا بول بالا ہوگا، اس کا دین غالب ہوگا، کفار مند دیکھتے رہ جائیں گے، دنیا میں الگ رسوائی اور ذلت ہوگی، آخرت میں الگ بربادی اور خواری ہوگی، جیتے جی یا تو اپنے سامنے اپنی پستی، ذلت، کسبت و اذہار اور خواری دیکھ لیں گے یا مرنے پر عذاب نارد دیکھ لیں گے، پستی و غلامی کی مار اور شکست ان کے ماتھے پر لکھ دی گئی، ہے پھر ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے، تاکہ اللہ شقی اور سعید کو الگ الگ کر دے، بڑے اور بھلے کو ممتاز کر دے۔ یہ تفریق اور امتیاز آخرت میں ہی ہوا اور دنیا میں بھی فرمان ہے ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا لَحِقْ قِيَامَتُكَ دُنْ هُمْ كَافِرُونَ سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے معبود میں اسی جگہ ٹھہرے رہو۔ اور آیت میں ہے قیامت کے دن یہ سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے کہ اس دن یہ ممتاز ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَامْتَاٰزُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ اے گنہگارو تم آج نیک کاروں سے الگ ہو جاؤ۔ اسی طرح دنیا میں بھی ایک دوسرے سے بالکل ممتاز تھے۔ مومنوں کے اعمال ان کے اپنے ہیں اور ان سے بالکل جدا۔ لام لام تو لیں ہو سکتا ہے یعنی کافر اپنے

مالوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ مومن و کافر میں علیحدگی ہو جائے کہ کون اللہ کا فرمانبردار ہے اور کون نافرمانی میں ممتاز ہے؟ چنانچہ فرمان ہے وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّنْفِي الْحَمْعَيْنِ اِلْح یعنی دونوں لشکروں کی ٹڈ بھڑ کے وقت جو کچھ تم سے ہوا وہ اللہ کے حکم سے تھا تاکہ مومنوں اور منافقوں میں تمیز ہو جائے ان سے جب کہا گیا کہ آؤ راہ حق میں جہاد کرو یا دشمنوں کو دفع کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم فنون جنگ سے واقف ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اور آیت میں ہے مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ اِلْح یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری موجودہ حالتوں پر ہی چھوڑنے والا نہیں وہ پاک اور پلید کو علیحدہ علیحدہ کرنے والا ہے اور یہ ہی نہیں کہ اللہ تمہیں اپنے غیب پر خبردار کر دے۔ فرمان ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ اِلْح کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک تو اللہ نے تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو کھلم کھلا نہیں کیا سورہ برات میں بھی اسی جیسی آیت موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں کافروں کے ہاتھوں میں اس لیے مبتلا کیا ہے اور اس لیے انہیں اپنے مال باطل میں خرچ کرنے پر لگایا ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہو جائے، خبیث کو خبیث سے ملا کر جمع کر کے جہنم میں ڈال دے اور نیا و آخرت میں یہ لوگ برباد ہیں۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ
مَا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتِ
الْاَوَّلِينَ ﴿۸﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ
الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَاِنْ اَنْتَهُوا فَاِنَّ اللَّهَ بِمَا
يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا اَنَّ
اللَّهَ مَوْلٰىكُمْ نَعَمَ الْمَوْلٰى وَنَعَمَ النَّصِيْرُ ﴿۱۰﴾

ان کافروں سے کہہ دے کہ اگر اب بھی یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو جو کچھ گذر چکا انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر یہ پھر لوٹیں گے تو یقیناً اگلے کافروں کی روش گذر چکی ہے ○ اور ان سے جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے اگر یہ لوگ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ جو یہ کر رہے ہیں۔ اور اگر یہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا اولیٰ اور دوست ہے وہ بہت ہی اچھا دوست اور بہت بہتر مددگار ہے ○

فتنہ کے اختتام تک جہاد جاری رکھو ☆ ☆ (آیت: ۳۸-۴۰) کافروں سے کہہ دے کہ اگر وہ اپنے کفر سے اور ضد سے باز آ جائیں اسلام اور اطاعت قبول کر لیں رب کی طرف جھک جائیں تو ان سے جو ہو چکا ہے سب معاف کر دیا جائے گا، کفر بھی، خطا بھی، گناہ بھی۔ حدیث میں ہے جو شخص اسلام لا کر نیکیاں کرے وہ اپنے جاہلیت کے اعمال پر پکڑا نہ جائے گا اور اسلام میں بھی پھر برائیاں کرے تو اگلی پھچلی تمام خطاؤں پر اس کی پکڑ ہوگی۔ اور حدیث میں ہے اسلام سے پہلے کے سب گناہ معاف ہیں تو یہ بھی اپنے سے پہلے کے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ نہ مانیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو وہ اگلوں کی حالت دیکھ لیں کہ ہم نے انہیں ان کے کفر کی وجہ سے کیسا عارت کیا؟ ابھی بدری کفار کا حشر بھی ان کے سامنے ہے جب تک فتنہ باقی ہے تم جنگ جاری رکھو۔ دو مسلمان گروہوں کا آپس میں لڑنا اور فتنہ کیا ہے؟ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آیت وَاِنْ طَآئِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِفْتَتَلُوْا اِلْح کو پیش نظر رکھ کر

آپ اس وقت کی باہمی جنگ میں شرکت کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں کا یہ طعنہ اس سے بہت ہلکا ہے کہ میں کسی مومن کو قتل کر کے جہنمی بن جاؤں۔

جیسے فرمان الہی ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا اِلْحٰس نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فتنہ باقی ہو تب تک لڑائی جاری رکھو؛ آپ نے فرمایا یہی ہم نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کیا اس وقت مسلمان کم تھے انہیں کافر گرفتار کر لیتے تھے اور دین میں فتنے ڈالتے تھے یا تو قتل کر ڈالتے تھے یا قید کر لیتے تھے جب مسلمان بڑھ گئے وہ فتنہ جاتا رہا اس نے جب دیکھا کہ آپؐ مانتے نہیں تو کہا اچھا حضرت علیؑ اور عثمانؑ کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت عثمانؑ کو اللہ نے معاف فرمایا لیکن تمہیں اللہ کی وہ معافی بری معلوم ہوتی ہے، حضرت علیؑ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد تھے یہ ہیں آپ کی صاحبزادی یہ کہتے ہوئے ان کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ ابن عمرؓ ایک مرتبہ لوگوں کے پاس آئے تو کسی نے کہا کہ اس فتنے کے وقت کی لڑائی کی نسبت جناب کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو فتنے سے کیا مراد ہے؟ آنحضرت ﷺ کا فروں سے جنگ کرتے تھے اس وقت ان کا زور تھا ان میں جانا فتنہ تھا تمہاری تو یہ مکی لڑائیاں ہیں اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے زمانے میں دو شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور رسول ﷺ کے صحابی ہیں آپ کیوں میدان جنگ میں نہیں اترے؟ فرمایا اس لئے کہ اللہ نے ہر مومن کا خون حرام کر دیا ہے انہوں نے کہا فتنے کے باقی رہنے تک لڑنا اللہ کا حکم نہیں؟ آپ نے فرمایا ہے اور ہم نے اسے نبھایا بھی یہاں تک کہ فتنہ دور ہو گیا اور دین سب اللہ ہی کا ہو گیا اب تم اپنی اس باہمی جنگ سے فتنہ کھڑا کرنا اور غیر اللہ کے دین کے لئے ہو جانا چاہتے ہو۔ ذوالسطنین حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے میں ہرگز اس شخص سے جنگ نہ کروں گا جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو، حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس کی تائید کی اور فرمایا میں بھی یہی کہتا ہوں تو ان پر بھی یہی آیت پیش کی گئی اور یہی جواب آپ نے بھی دیا۔ بقول ابن عباسؓ وغیرہ فتنہ سے مراد شرک ہے اور یہ بھی کہ مسلمانوں کی کمزوری ایسی نہ رہے کہ کوئی انہیں ان کے سچے دین سے مرتد کرنے کی طاقت رکھے، دین سب اللہ کا ہو جائے یعنی تو حیدر نکھیر جائے لا الہ الا اللہ کا کلمہ زبانوں پر چڑھ جائے، شرک اور معبودان باطل کی پرستش اٹھ جائے، تمہارے دین کے ساتھ کفر باقی نہ رہے۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں جب وہ اسے کہہ لیں گے تو مجھ سے اپنی جانیں اور اپنے مال بچالیں گے ہاں حق اسلام کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری کے لئے ایک شخص غیرت کے لئے ایک شخص ریا کاری کے لئے لڑائی کر رہا ہے تو ان میں سے کون اللہ کی راہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی غرض سے جہاد کرے وہ اللہ کی راہ میں ہے پھر فرمایا کہ اگر تمہارے جہاد کی وجہ سے یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو تم ان سے لڑائی موقوف کر دو ان کے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اللہ ان کے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔

جیسے فرمان ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِلْحٰ یعنی اگر یہ توبہ کر لیں اور نمازی اور زکوٰۃ دینے والے بن جائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو دن کے راستے نہ روکو۔ اور آیت میں ہے کہ اس صورت میں وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتی کا بدلہ تو صرف ظالموں کے لئے ہی

ہے۔ ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ ایک شخص پر تلوار لے کر چڑھ گئے، جب وہ زد میں آ گیا اور دیکھا کہ تلوار چلا چاہتی ہے تو اس نے جلدی سے لا الہ الا اللہ کہہ دیا، لیکن اس کے سر پر تلوار پڑ گئی اور وہ قتل ہو گیا، جب حضور ﷺ سے اس واقعہ کا بیان ہوا تو آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کیا تو نے اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا؟ تو لا الہ الا اللہ کے ساتھ قیامت کے دن کیا کرے گا؟ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو اس نے صرف اپنے بچاؤ کے لئے کہا تھا، آپ نے فرمایا، کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ بتا کون ہوگا جو قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا مقابلہ کرے، بار بار آپ یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میرے دل میں خیال آنے لگا کہ کاش کہ میں آج کے دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا؟

پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ اب بھی باز نہ رہیں، تمہاری مخالفت اور تم سے لڑائی نہ چھوڑیں تو تم یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولا، تمہارا مالک، تمہارا مددگار اور ناصر ہے، وہ تمہیں ان پر غالب کرے گا، وہ بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت عروہؓ سے کچھ باتیں دریافت کی تھیں، جس کے جواب میں آپ نے انہیں لکھا، سلام علیک کے بعد میں آپ کے سامنے اس اللہ کی تعریفیں کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، بعد حمد و صلوة کے آپ کا خط ملا، آپ نے ہجرت رسول اللہ ﷺ کی بابت مجھ سے سوال کیا ہے، میں آپ کو اس واقعہ کی خبر لکھتا ہوں، اللہ ہی کی مدد پر خیر کرنا اور شر سے روکنا موقوف ہے، مکہ سے آپ کے تشریف لے جانے کا واقعہ یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت دی، سبحان اللہ کیسے اچھے نبی، کیسے اچھے پیشوا، بہترین رہنما تھے، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، ہمیں جنت میں آپ کی زیارت نصیب فرمائے، ہمیں آپ ہی کے دین پر زندہ رکھے، اسی پر موت دے اور اسی پر قیامت کے دن کھڑا کرے، آمین۔ جب آپ نے اپنی قوم کو ہدایت اور نور کی طرف دعوت دی جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا تو شروع شروع تو انہیں کچھ زیادہ برا معلوم نہیں ہوا، بلکہ قریب تھا کہ آپ کی باتیں سننے لگیں، مگر جب ان کے معبودان باطل کا ذکر آیا، اس وقت وہ بگڑ بیٹھے، آپ کی باتوں کا برامانے لگے، آپ پر سختی کرنے لگے، اسی زمانے میں طائف کے چند قریش مال لے کر پہنچے، وہ بھی ان کے شریک حال ہو گئے، اب آپ کی باتوں کے ماننے والے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے لگے، جس کی وجہ سے عام لوگ آپ کے پاس آنے جانے سے ہٹ گئے، سوائے ان چند ہستیوں کے جو اللہ کی حفاظت میں تھیں، یہی حالت ایک عرصے تک رہی، جب تک کہ مسلمانوں کی تعداد کی کمی زیادتی کی حد تک نہیں پہنچی تھی پھر سرداران کفر نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب تک کہ جتنے لوگ ایمان لائے ہیں، ان پر اور زیادہ سختی کی جائے، جو اس وقت دردمندی ہو وہ اسے ہر طرح تنگ کرے، تاکہ وہ رسول اکرم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں، اب فتنہ بڑھ گیا اور بعض لوگ ان کی سزاؤں کی تاب نہ لا کر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے، کھرے اور ثابت قدم لوگ دین حق پر اس مصیبت کے زمانے میں بھی جمے رہے اور اللہ نے انہیں مضبوط کر دیا اور محفوظ رکھ لیا، آخر جب تکلیفیں حد سے بڑھے لگیں تو رسول مقبول ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک نیک آدمی تھا، اس کی سلطنت ظلم و زیادتی سے خالی تھی، ہر طرف اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں، یہ جگہ قریش کی تجارتی مڈی تھی جہاں ان کے تاجر رہا کرتے تھے اور بے خوف و خطر بڑی بڑی تجارتیں کیا کرتے تھے۔

پس جو لوگ یہاں مکہ میں کافروں کے ہاتھوں بہت تنگ آ گئے تھے اور اب مصیبت چھیلنے کے قابل نہیں رہے تھے اور ہر وقت انہیں اپنے دین کے اپنے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا خطرہ لگا رہتا تھا، وہ سب حبشہ چلے گئے، لیکن خود حضور ﷺ یہیں ٹھہرے رہے، اس پر بھی جب کئی سال گذر گئے تو یہاں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، اسلام پھیل گیا اور شریف اور سردار لوگ بھی اسلامی جھنڈے تلے آ گئے،

یہ دیکھ کر کفار کو اپنی دشمنی کا جوش ٹھنڈا کرنا پڑا وہ ظلم و زیادتی سے بالکل تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ رک گئے۔

پس وہ فتنہ جس کے زلزلوں نے صحابہؓ کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکہ شریف واپس چلے آئیں چنانچہ وہ بھی تھوڑے بہت آگئے۔ اسی اثناء میں مدینہ شریف کے چند انصار مسلمان ہو گئے ان کی وجہ سے مدینہ شریف میں بھی اشاعت اسلام ہونے لگی ان کا مکہ شریف آنا جانا شروع ہوا اس سے مکہ والے کچھ بگڑے اور پھر کرارادہ کر لیا کہ دوبارہ سخت سختی کریں چنانچہ دوسری مرتبہ پھر فتنہ شروع ہوا ہجرت پر پہلے فتنے نے آمادہ کیا واپسی پر پھر فتنہ پھیلا اب ستر بزرگ سرداران مدینہ یہاں آئے اور مسلمان ہو کر آنحضرت رسول مقبول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی یہ موسم حج کے موقعہ پر آئے تھے عقبہ میں انہوں نے بیعت کی عہد و پیمانہ قول و قرار ہوئے کہ ہم آپ کے اور آپ ہمارے اگر کوئی بھی آپ کا آدمی ہمارے ہاں آ جائے تو ہم اس کے امن و امان کے ذمے دار ہیں خود آپ اگر تشریف لائیں تو ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں اس چیز نے قریش کو اور بھڑکا دیا اور انھوں نے کمزور اور ضعیف مسلمانوں کو مزید ستانا شروع کر دیا ان کی سزائیں بڑھادیں اور خون کے پیاسے ہو گئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ مدینہ شرف کی طرف ہجرت کر جائیں یہ تھا آخری اور انتہائی فتنہ جس نے نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی نکالا بلکہ خود اللہ کے محترم رسول ﷺ بھی مکہ کو خالی کر گئے یہی ہے وہ جسے اللہ فرماتا ہے ان سے جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور سارا دین اللہ کا ہی ہو جائے۔

الحمد للہ نویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے